ترانۂ زندگی

مرتبہ

محمد احتشام الحسن

ناشر شیخ محمد اشرف تاجر کتب کشمیری بازار لاہور

۷۸۶

قال اللہ تعالیٰ

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

"سرمایۂ زندگی"

مرتبہ
محمد احتشام الحسن عفی عنہ

کاندھلہ ضلع مظفر گڑھ - یو۔ پی
(ہند)

سرمایۂ زندگی

قیمت Rs. 6.00 روپے

بار اوّل

ناشر

شیخ محمد اشرف تاجر کتب کشمیری بازار

لاہور

(مطبوعہ کواپریٹو کیپیٹل پریس وطن بلڈنگ لاہور)

فہرست مضامین

رسالہ "سرمایہ زندگی"

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وحدہٗ لاشریک لک استغفرک واتوب الیک وصل
وسلم وبارک علی خیر خلقک محمد واصحابہ اجمعین
اللھم الھمنا مراشد امورنا واعذنا من شرور انفسنا

"لمحاتِ فکریہ"

شکمِ مادر کی تنگ و تاریک کوٹھری سے پیکرِ انسانی نمودار ہوتا ہے
اور انجام کار لحد کی آغوش میں سلا دیا جاتا ہے۔ اس درمیانی وقفہ کو
زندگی سے تعبیر کرتے ہیں۔ جو درحقیقت ایک دائمی زندگی کا پیش
خیمہ اور آنے والے غیر محدود دور کے لئے میدانِ کارزار ہے

مرگ اک ماندگی کا وقفہ ہے
یعنی آگے چلیں گے دم لے کر

آنے والا دور جو آنے والا ہے اور یقیناً آنے والا ہے۔ اگر
اس کی وسعت و پھیلاؤ پر نظر ڈالی جائے۔ تو یہ موجودہ زندگی کوئی
زندگی نہیں۔ بلکہ زندگی کا ایک ادنیٰ وقفہ ہے۔ یا اثناء سفر کے
چند لمحات۔ ان لمحات کو کس طرح گذارا جائے۔ اور اس وقفہ کو

کس مشغلہ میں ختم کیا جائے۔ اس کا صحیح فیصلہ اس وقت کیا جا سکتا ہے۔ جب ان لمحات کی قدر و قیمت کا بالکل صحیح اندازہ قائم ہو جائے انسان کو انسانیت، کا جامہ پہنانا مختلف انواع سے مجموعہ کمالات بنانا۔ غیر محدود صلاحیتوں کا عطا ہونا۔ اس کی رُوح کی پرواز اور روحانیت، کی نشوونما کے لئے ہے۔

رُوح کے لئے انتقال مکانی تو ضرور ہوتا ہے۔ مگر فنا ہرگز نہیں اس پیکر خاکی کو خیر باد کہہ کر دوسرا محل اختیار کر سکتی ہے۔ مگر نیست و نابود اور معدوم نہیں ہو سکتی۔ اور انسان درحقیقت اسی رُوح کا نام ہے۔ جس کی بدولت اس خاکی پتلہ یعنی پیکر انسانی کو شرف و عزت بخشی گئی۔

یہ موجودہ زندگی ایک امتحان گاہ ہے جس میں انسان کو ایک ابدی زندگی کے لئے آزمایا اور تیار کیا جاتا ہے۔ جو اپنی وسعت و پھیلاؤ کے اعتبار سے غیر محدود ہے اور غیر فانی ہے۔ ارشاد ربّانی ہے:۔

اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ	جس نے بنایا مرنا اور جینا،
لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا	تاکہ تم کو جانچے۔ کہ تم میں کون اچھا
(ملک ع ۱)	کام کرتا ہے۔

اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا (الکہف ع ۱)	ہم نے بنایا جو کچھ زمین پر ہے۔ اسکی رونق تاکہ جانچیں لوگوں کو کون ان میں اچھا کام کرتا ہے

اس زندگی کے دو ہی رُخ ہیں۔ ابدی چین و راحت۔ یا ابدی تکلیف و اذیت۔ اس خاکستان کی طرح وہاں رنج و راحت کی آمیزش بالکل نہیں۔

یہ امتحان کوئی معمولی امتحان نہیں۔ بلکہ اپنے بندوں کی پوری جانچ ہے۔ اور اپنی مخلوق کے ربط و تعلق اور الفت و محبت کو آشکارا کرنا ہے۔ تاکہ محبین اور مطیعین کو نعمتوں اور راحتوں سے سرفراز کیا جائے۔ اور سرکش و نافرمانوں کو ایک ابدی سزا میں مبتلا کیا جائے۔ اسی لئے انسان کو دو زبردست قوتیں عطا کی گئیں۔ ایک غور و فکر کی صلاحیت یعنی "قوۃ فکریہ" دوسرے ہر کام کے انجام دہی کی صلاحیت یعنی "قوۃ عملیہ" تاکہ انتہائی غور و فکر کے ساتھ اپنے لئے راہ عمل اختیار کرے پھر اس راہ پر سرعت و مستعدی کے ساتھ گامزن ہو زندگی صحیح زندگی اسی وقت بن سکتی ہے جب "صحیح فکر" اور صحیح عمل دونو سے آراستہ ہو۔ ورنہ وہ زندگی نہیں۔ گندگی اور پراگندگی ہے

ارشادِ ربانی ہے:-

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى جو مرد و عورت عمل صالح اختیار کرے
وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً اور وہ مومن ہو۔ تو زندگی دیں گے ہم
طَيِّبَةً اس کو پاکیزہ زندگی

صحیح عمل، عمل صالح اور صحیح فکر ایمان ہے۔ اور ان دونوں پر لطفِ زندگی موقوف ہے۔

اب جبکہ افکار اور اعمال کا جائزہ لیا جاتا ہے۔ تو عقلِ سلیم یہی فیصلہ کرتی ہے۔ کہ صحیح افکار کا نام "ایمان" ہے اور صحیح اعمال کا نام "اسلام" ہے۔ اور جو انسان صحیح افکار اور صحیح اعمال سے مزیّن ہے وہ "مومن" ہے اور "مسلمان"۔ اس فیصلہ کی توضیح اس طرح سمجھئے کہ انسان کا عمل خود اس کے فکر کے تابع ہوتا ہے۔ یا دوسروں کے افکار کا پیرو کار بنتا ہے، اور افکار ماحول سے بنتے ہیں یا ماضی سے سبق لیتے ہیں۔ اور بسا اوقات لغزش کھا کر انسانی زندگی کو تباہ و برباد کر دیتے ہیں۔ نہ ماضی سے اچھا سبق لیتے ہیں۔ اور نہ ماحول سے اچھا اثر لیتے ہیں۔ بلکہ ماضی کے حالات اور ماحول کے اثرات سے متاثر ہو کر اپنا مقصدِ زندگی فراموش کر دیتے ہیں اور گمراہی میں پڑ جاتے

ہیں جس سے سراسر تباہی و بربادی ابتری اور خستگی پھیل جاتی ہے۔ اس لئے ضرورت پڑی صحیح افکار کے نشو ونما اور بقا کی جن پر صحیح اعمال مرتب ہوں۔ انہی مجموعۂ افکار اور اعمال کا نام ایمان اور اسلام ہے۔ اس لئے کہ ایمان اور اسلام کا ماحصل یہی ہے۔ کہ انسان کا کوئی فکر اور کوئی عمل ہدایت ربّانی سے باہر نہ ہو۔ اور تمام افکار و خیالات اور اعمال و خصائل حکم ربانی کے ماتحت اور محکوم ہوں۔

اس دولتِ عظمیٰ اور سعادت ابدی سے اصلی سرفراز وہ نفوس قدسیّہ ہوتے ہیں۔ جو براہ راست بارگاہ نبوّت سے فیضیاب ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ انکے اپنے تمام افکار و اعمال اپنے نہیں رہتے۔ بلکہ خدا اور رسول کے اوامر سے اس طرح مربوط ہو جاتے ہیں۔ کہ گویا مفقود ہوتے ہیں۔ یہ زندگی کے عروج کا اصلی دور ہوتا ہے۔ اور بندگی کا اعلےٰ نمونہ۔ پھر رفتہ رفتہ افکار و اعمال میں آمیزش شروع ہوتی ہے۔ اور اسی نقطہ سے انحطاط شروع ہو جاتا ہے۔ اور انجام کار یہ افکار و اعمال بندگی کے دائرہ سے باہر ہو جاتے ہیں۔ جو عام تباہی اور بربادی کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔

اعمال آئینہ ہوتے ہیں افکار کے لئے۔ اگر افکار صحیح ہوتے

ہیں۔ اور انکا منبع جذبہ بندگی اور نورِ ایمانی ہوتا ہے۔ تو تمام اعمال بندگی کے رنگ میں ڈوبے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور نورِ ایمانی سے مزیّن و آراستہ۔ ہر کام، ہر بات، ہر شے حتّٰی کہ در و دیوار پر نورانیّت برتی ہے۔ یہ روحانیّت کے انتہائی عروج کا دَور ہوتا ہے۔ جو انسانی عروج کا منتہٰی ہوتا ہے۔ اور اگر افکار فاسد ہوتے ہیں۔ اور اپنے اصلی منبع اور سرچشمہ سے بچھڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ تو تمام اعمال خستہ اور پراگندہ ہوتے ہیں۔ روحانیّت اور نورانیّت کا نام ونشان نہیں ہوتا۔ مادیات کو فروغ ہوتا ہے۔ یہ دنیا کے فروغ کا دَور ہوتا ہے۔ اور انسانیّت کے خاتمہ کا زمانہ۔

انسان مجموعہ ہے رُوح اور مادہ کا پس اگر اس کے افکار و خیالات رُوحانی ہونگے تو رُوحانیّت کو عروج ہوگا اور تمام مادیات محکوم وغلام ہوں گے۔ اور اگر افکار مادی ہونگے۔ تو روحانیّت مضمحل اور کمزور ہوگی اور مادیات کو فروغ ہوگا۔ انسان ان مادیات کا محکوم وغلام ہوگا۔ اور جوہرِ انسانی مفقود ومعدوم

مادیات کو فروغ زمانہ کا فطری تقاضا ہے۔ جوں جوں زمانہ آگے کو بڑھیگا۔ نئی نئی ایجادات سامنے آئیں گی۔ اور ایسی قوم کے ہاتھوں آئیں گی۔ جو سرگرمِ عمل ہوگی۔ خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم

کالی ہو یا گوری مشرقی ہو یا مغربی۔ آج جن ایجادات اور اختراعات پر قوموں کو ناز ہے۔ وہ آنیوالے دور میں اسی طرح حقارت ونفرت سے دیکھی جائیں گی۔ جیسا کہ آج پچھلی ایجادات کو نفرت اور حقارت سے دیکھا جاتا ہے حالانکہ اگر وہ پہلا اختراعی دور نہ گزرتا۔ تو موجودہ اختراعات کی نوبت نہ آتی۔ اور ہم وہاں ہوتے جہاں پچھلے لوگ تھے۔

اسی طرح موجودہ اختراعات مادی ترقیات کا منتہائی نقطہ نہیں۔ بلکہ آنے والی نسلوں کے لئے نشان راہ ہے۔ خدا معلوم ان کے ہاتھوں مادی ترقی کہاں سے کہاں تک پہنچے۔ اور دنیا کیا سے کیا بن جائے؟

مادی دنیا میں یہ جو کچھ بھی ہؤا اور ہو رہا ہے۔ اور آئندہ ہو گا انسان کی قوت فکریہ کے فساد کی کرشمہ سازیاں ہیں جن میں انسان کو الجھا کر اس فکر صحیح سے انسان کو محروم کر دیا۔ جو انسان کو انسان بناتا اور جواہر انسانی سے آراستہ کرتا۔

انسان ادنے چیزوں میں الجھ کر اعلیٰ نعمتوں سے محروم ہو گیا اور اپنے فنا ہونے والے مادہ کی بدولت ہمیشہ باقی رہنے والی روح کو کھو بیٹھا۔

خلاصہ کلام یہ کہ زندگی کے دو رُخ ہیں۔ ایک "مادی" دُوسرا "رُوحانی" مادی رُخ میں مادیات پیش نظر ہوتی ہیں۔ اور وہ ہی مقصود و مطلوب بنتی ہیں۔ تمام افکار و خیالات پر مادیت مسلّط ہوتی ہے۔ اس لئے تمام اعمال بھی مادی ہوتے ہیں اس رُخ پر مادی جسم کے راحت و آرام کے اسباب کی فراوانی ہوتی ہے۔ اور رُوح غیر مطمئن۔ بیقرار۔ پریشان حال۔ مجبور و ناچار کمزور و ناتواں۔ مادی جسم چونکہ فنا ہونے کے لئے بنایا گیا اس لئے جب رُوح اس پیکرِ خاکی کو چھوڑتی ہے۔ تو ان تمام ترقیات کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ اور رُوح انسانی کو اس زندگی سے سابقہ پڑتا ہے جس کے لئے اس کو تیار نہیں کیا گیا۔ اس لئے ہزارہا پریشانیوں اور مصائب کا سامنا ہوتا ہے۔

رُوحانی رُخ میں روحانیات پیشِ نظر ہوتی ہیں۔ اور وہی مطلوب و مقصود بنتی ہیں۔ تمام افکار و خیالات پر روحانیت مسلّط ہوتی ہے۔ اس لئے تمام اعمال و افعال بھی رُوحانی ہوتے ہیں۔ اس رُخ میں رُوح کے لئے تازگی اور شگفتگی اور تازگی ہوتی ہے۔ اطمینان و سکون نصیب ہوتا ہے۔

اور آنے والی زندگی کے لئے وہ ہر طرح سے مستعد اور تیار ہوتی ہے۔ مادیات بھی حاصل ہوتے ہیں اور انتہائی فراوانی کے ساتھ حاصل ہوتے ہیں۔ مگر مطلوب و مقصود بن کر نہیں بلکہ محکوم و متبوع بن کر۔ یہ ترقی ختم ہونے والی ترقی نہیں۔ ہر روز ہر آن اس کے لئے افزونی اور بڑھوتری ہے۔ بلکہ اس ترقی کا اصلی دروازہ اس وقت کھلتا ہے جب رُوح اس ہیکلِ خاکی کو چھوڑ کر مادی قید و بند سے آزاد ہو جاتی ہے۔

تخلیقِ کائنات کا منشا "رُوحانی زندگی" کا فروغ ہے۔ ارشادِ ربانی ہے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (الذاریات)	اور میں نے جو بنائے جن اور آدمی سو اپنی بندگی کے لئے۔

اور اسی زندگی کی جانب اللہ رب العالمین کے بھیجے ہوئے تمام رسولوں نے مخلوقِ خدا کو دعوت دی۔

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا	اور (اے پیغمبر!) ہم نے آپ سے پہلے کوئی پیغمبر ایسا نہیں بھیجا جس پر اس بات کی وحی نہ بھیجی ہو۔ کہ کوئی

فَاعْبُدُوْنِ معبود نہیں مگر میری ذات پس چاہیے

(الانبیاء) کہ میری ہی بندگی کرو۔

اس لئے اس زندگی کو "اسلامی زندگی" "ایمانی زندگی" بندگی کی زندگی کہتے ہیں۔ اور نفس وشیطان کی کشش "مادی زندگی" کی جانب ہوتی ہے

فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ قسم ہے تیری عزت کی میں گمراہ کرونگا

أَجْمَعِينَ ط ان سب کو

اِسی لئے اس زندگی کو "شیطانی زندگی" اور "طاغوتی زندگی" کہہ سکتے ہیں۔

حقیقی زندگی کیا ہے؟

جب مشیّت ایزدی نے چاہا۔ کہ کمالاتِ مکنونہ منظر عام پر آئیں۔ تو تمام ارواح انسانی کو پیدا فرماکر دریافت فرمایا۔ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ۔ (کیا میں تمہارا پروردگار نہیں؟) انکار کی کب گنجائش تھی۔ سب نے بالاتفاق کہا۔ بَلٰی (بیشک)۔

یہی انسانی زندگی کی ابتدا ہے۔ اور اوّل قدم ہی پر ربوبیت کا اعتراف کراکر انسانی زندگی کی بنیاد ڈال دی۔ اور مادی

امور کی ذمہ داری لے کر فکرِ معاش سے آزاد کر دیا چنانچہ صراحت کے ساتھ وعدۂ خداوندی ہے۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا — اور زمین پر چلنے والا کوئی جاندار نہیں ہے جس کی روزی کا انتظام اللہ پر نہ ہو۔

بلکہ رزق کا پورا پورا اختیار اسی کے قبضہ و قدرت میں ہے۔ غیر کا اس میں دخل نہیں :-

إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ — بیشک اللہ ہی ہے روزی دینے والا۔ زور آور مضبوط

انسان کی رزق کی خاطر سعی اور دوڑ و دھوپ محض اسباب اور ذرائع ہیں۔ جو کبھی کارگر دکھائی دیتے ہیں اور اکثر بیکار۔ اگر یہ اسباب خود مؤثر ہوتے۔ تو ان کو ہر شخص اختیار کر کے مستغنی اور بے نیاز ہو جاتا۔ ایک ہی کام کو ایک ہی انداز پر چند اشخاص شروع کرتے ہیں۔ دینے والا ان میں سے جس کو چاہتا ہے، جتنا چاہتا ہے۔ دیتا ہے باقی ناکام اور نامراد رہتے ہیں۔ ان کی ساری جدّ و جہد اور محنت و مشقت بیکار ثابت ہوتی ہے۔ ارشادِ ربّانی ہے

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ (الروم - ع - ۴)

کیا نہیں دیکھتے۔ بیشک اللہ کشادہ کرتا ہے رزق جس پر چاہے اور تنگ کرتا ہے۔

اَوَلَمْ يَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ

کیا نہیں جانتے۔ بیشک اللہ کشادہ کرتا ہے رزق جس پر چاہے اور تنگ کرتا ہے

اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ۔

تمہارا پروردگار جس کسی کی روزی چاہتا ہے فراخ کردیتا ہے، اور جس کی چاہتا ہے بھی تنگی۔

ہر فرد بشر کا رزق اور اس کی حیثیت متعین اور مقدر ہو چکا۔ نہ اس میں کمی کی گنجائش ہے اور نہ بیشی کا امکان۔ اگر دنیا کی ساری قوتیں کسی کے رزق اور حیثیت میں کمی یا بیشی چاہیں۔ تو عاجز و ناکام ثابت ہونگی۔ روزمرہ کے مشاہدات اس کا بیّن ثبوت ہیں۔ ارشاد ربانی ہے۔

وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ

اور عزت دیوے جس کو چاہے اور ذلیل کرے جس کو چاہے۔ تیرے ہاتھ ہے سب خوبی۔ بیشک تو ہر

شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ (آل عمران ع ۳) چیز پر قادر ہے۔

کیا اس کا یہ مطلب ہے۔ کہ انسان سب کچھ چھوڑ کر عبادت گاہوں میں بیٹھ جائے۔ خانقاہیں آباد ہو جائیں اور دنیا ویران؟ نہیں ہرگز نہیں۔ یہ روحانیت نہیں۔ بلکہ رہبانیت ہے جس سے اسلام بری ہے۔ "لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْاِسْلَامِ" (اسلام میں رہبانیت نہیں)

ارشاد ربانی ہے:۔

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْۤ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ (اعراف ع ۲)

تو کہہ کس نے حرام کیا اللہ کی زینت کو جو اس نے پیدا کی ہے اپنے بندوں کے واسطے۔ اور ستھری چیزیں کھانے کی۔ تو کہہ اصل میں یہ نعمتیں ایمان والوں کے واسطے ہیں۔ دنیا کی زندگی میں۔ خالص انہیں کے واسطے ہیں قیامت کے دن

اسلام نام ہے فطرت سلیمہ کا۔ پھر وہ خلاف قدرت کیسے حکم دے سکتا ہے؟ بلکہ مقصد یہ ہے۔ کہ ہونے والی بات یا نہ ہونے والے کام کو اپنا مطلوب اور مقصود نہ بنائے

اور اپنی خواہشات پر مرمٹنے کو اپنا منتہائے نظر بنا کر ان کا پرستار نہ بن جائے۔

أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلٰهَهُ هَوَاهُ	کیا تو نے دیکھا اس شخص کو جس نے اپنی خواہش کو معبود بنا لیا۔

پیدا کرنے والے نے کائنات کی ہر شے کو انسان کی خاطر پیدا کیا۔

هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا	وہی ہے جس نے پیدا کیا تمہارے واسطے جو کچھ زمین میں ہے سب

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کارند
تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری

انسان کے پاس جو کچھ بھی ہے۔ وہ اس کی خانہ ساز ایجاد نہیں۔ بلکہ عطائے ربانی ہے اور محض فضل و انعام ہے

وَمَا بِكُم مِّن نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللَّهِ	اور جو کچھ تمہارے پاس نعمت ہے اللہ کی طرف سے ہے۔

اور ان گوناگوں نعمتوں سے نوازا۔ جن کا شمار اور احصائ ممکن نہیں

وَإِن تَعُدُّوا نِعْمَةَ	اور اگر تم شمار کرو اللہ کی نعمتوں کو

اللّٰہِ لَا تُحْصُوْھَا — تو نہ احاطہ کر سکو گے اِن کا۔

اور بار بار ان انعامات اور الطاف کی یاد دہانی کی۔ جو ربوبیت کے شایان شان ہیں۔ تاکہ شکر اور بندگی کے جذبات برانگیختہ ہوں:۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا	اے ایمان والو! کھاؤ پاکیزہ چیزیں
کُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰکُمْ	جو روزی دی ہم نے تم کو۔ اور شکر
وَاشْکُرُوْا لِلّٰہِ اِنْ کُنْتُمْ	کرو اللہ کا۔ اگر تم اُسی کے
اِیَّاہُ تَعْبُدُوْنَ (البقرہ)	بندے ہو۔

بنی آدم کی پیدائش کا منشاء نعمائے خداوندی سے بندش نہیں۔ بلکہ انعامات ربّانی کا اتمام اور اکمال ہے

وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِیْ عَلَیْکُمْ	(اور تاکہ تمام کروں میں اپنی نعمت تم پر

اور اس منشاء کو تمام بھی فرمایا:۔

وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ	اور تمام کر دیا میں نے تم پر اپنی نعمت کو

چنانچہ انسان شکر اور بندگی کے جذبات کے ساتھ نعماء دنیوی سے انتفاع مطلوب اور محبوب ہے۔ اور عین بندگی اور سراسر عبادت ہے۔ اور جذبات بندگی سے بے نیاز ہو کر اس مالک الملک کی دی ہوئی نعمتوں سے انتفاع مردود

ملعون ہے اور سراسر سرکشی اور طغیان ہے۔ اور کھلا کفرانِ نعمت ہے۔ پس معلوم ہوا کہ زندگی ایک ہی ہے۔ مشاغل ایک ہی ہیں۔ کام ہر حال میں ایک ہی کرنا ہے۔ البتہ اس کے دو رُخ ہیں۔ ایک سیدھا دُوسرا اُلٹا۔ ایک محبوب و مطلوب اور دُوسرا مردود و ملعون۔ اگر زندگی سے مقصود اور مطلوب رب العالمین کی رضا اور خوشنودگی اور آخرت کی طلب و جستجو ہے۔ تو یہ "رُوحانی اور اسلامی" زندگی ہے اور سراسر روحانیت اور نورانیت ہے۔ اور اگر زندگی سے مقصود محض مادیات کا فروغ اور شکم پروری اور تن آسانی ہے۔ تو یہ "مادی زندگی" ہے۔ اور سراسر حیوانیت اور بہیمیت ہے۔ دونو رُخ پر انعامات دُنیوی سے سرفراز ہوگا۔ محروم و ناکام نہ رہیگا۔

لیکن انجام کار جُدا جُدا ہوگا۔ موت کے بعد دونوں راہیں الگ الگ ہو جائیں گی جن کو واضح طور پر اسطرح بیان کیا گیا

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ	جو کوئی چاہتا ہو آخرت کی کھیتی
الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ	بڑھادیں ہم اس کی کھیتی۔ اور جو
وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ	کوئی چاہتا ہو دُنیا کی کھیتی

الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِى الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ

اس کو دیں ہم اس میں سے اور اس کو نہیں آخرت میں کچھ حصہ۔

دینے والا جو چاہے دیتا ہے اور جسقدر چاہے دیتا ہے۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ لیکن یہ سب کچھ داد و دہش انسانی ارادہ کے ساتھ وابستہ ہے۔ اور اسی قصد و ارادہ کی بنا پر انسان ماخوذ ہے۔ اسی مضمون کو زیادہ واضح طور پر اس طرح بیان فرمایا۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِى الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِى الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ

پھر کوئی آدمی تو کہتا ہے اے رب ہمارے دے ہم کو دنیا میں اور اس کیلئے آخرت میں کچھ حصہ نہیں۔ اور کوئی ان میں کہتا ہے کہ اے رب ہمارے! دے ہم کو دنیا میں خوبی اور آخرت میں خوبی اور بچا ہم کو دوزخ کے عذاب سے۔ انہیں لوگوں کے واسطے حصہ ہے۔ اپنی کمائی سے اور اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔

مدارِ کار قصد اور ارادہ پر ہے اور اسی نقطہ سے مومن اور کافر کی زندگی کا رُخ جُدا جُدا ہو جاتا ہے۔ مومن کا جو کام بھی ہوتا ہے۔ اس سے قصد اور ارادہ اپنے مولا کی رضا اور خوشنودگی ہوتی ہے اور کافر کا جو بھی کام ہوتا ہے۔ وہ خواہشات نفسانی کی پیروی اور اغراض پرستی پر مبنی ہوتا ہے اگر مومن اپنے مقصد کو بھولا ہُوا ہے تو وہ اپنی زندگی کو کھویا ہُوا ہے۔ جس کے باعث سرگردان اور پریشان حال ہے۔

انبیاء کرام علیہم السّلام کے بعد زندگی کے اس راز کو صحابۂ کرام کی مقدّس جماعت نے اپنایا۔ کہ اپنے قصد و ارادہ کو اللہ اور رسول کی رضا کے سامنے بالکل نیست و نابُود کر دیا۔ ان کا ہر کام ان کی ہر حرکت و سکون اللہ اور رسول کی رضا، اور آخرت کی طلب کے لئے تھا۔ وہ دنیا میں سب کرنا چاہتے تھے۔ اور کر رہے تھے۔ مگر جینے کے لئے نہیں بلکہ مرنے کے لئے۔ فانی زندگی کے لئے نہیں۔ بلکہ جاودانی زندگی کے لئے۔ اس لئے انکا ہر کام ان کی ہر بات، ان کی ہر ادا سراسر دین تھا۔ اور خدا اور رسول کے تقرب اور محبت کا ذریعہ

یہ ایک معیاری دور تھا جس کی نظیر نہ سابق میں ملے گی اور نہ آئندہ نظر آئے گی۔ کمالِ انسانیت کا مکمل ترین نمونہ تھا۔ انسانیت کے وہ تمام جوہر جو خلافت اور نیابت کے شایانِ شان تھے۔ جلوہ افروز تھے۔ ان میں کا ہر ہر فرد خلیفہ اور نائب تھا۔ اور جو کام بھی ہو رہا تھا۔ وہ نیابت اور خلافت کی حیثیت سے ہو رہا تھا۔ اور ان کی اپنی ذاتی حیثیات مفقود تھیں۔ یہی معنی ہیں "اکمالِ دین" کے کہ دُنیا ساری کی ساری ان کے سامنے پامال تھی۔ اور آخرت کی تمام نعمتیں ان کی منتظر و مشتاق۔ اس لئے کہ ان کے اس طرح سرِ تسلیم خم کر دینے سے جو مقتضائے بندگی تھا ان کا پروردگار راضی ہو گیا تھا۔ اور صرف یہی ایک اس کی رضا کی شاہراہ ہے۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ	آج میں پورا کر چکا تمہارے لئے
وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ	دین تمہارا۔ اور پورا کیا میں نے تم
وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ	پر احسان اپنا۔ اور پسند کیا میں نے
دِيْنًا (المائدہ)	تمہارے واسطے اسلام کو دین

زندگی اجتماعی ہو یا انفرادی جس قدر اس معیاری دور کے مشابہ

ہوگی - فائز د کامیاب ہوگی - اور جس قدر اس معیاری دَور سے بعید ہوگی - اسی قدر انسانیت کے لئے بدنما داغ اور باعثِ صد ننگ و عار -

ترّقی کی خواہشمند جماعتوں اور افراد کو اس معیاری دَور کا مکمل نقشہ پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے - جو بھی قدم ان نقوش اوّلین کے خلاف ہوگا - وہ انسانیت پر ظلم عظیم ہوگا - اور اس کا انجام خیبت و خسران ہوگا -

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ	اور جو کوئی چاہے سوائے دین اسلام کے کوئی اور دین ـ سو اس سے ہرگز قبول نہ ہوگا - اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والا ہے -

عروج کے بعد نزول کارخانہ عالم کے لوازمات سے ہے - ہر چیز اپنی منتہا کو پہنچ کر واپس لوٹتی ہے - اس دورِ کمال کو بھی عروج پر پہنچ کر واپس لوٹنا تھا - چنانچہ وہ نفوسِ قدسیہ عالم قدس کی جانب پرواز کر گئے - جو روحانی ترقی کی اصل جولانگاہ ہے - اور ہونا بھی یہی چاہیئے تھا - ورنہ یہ دورِ حقیقت اگر سو دو سو سال بھی باقی رہ جاتا - تو ساری دنیا اس کے ہم آغوش ہوتی - اور کفر و ضلالت کا نام

و نشان نہ رہتا۔ اور جس دنیا کو امتحان گاہ بنایا گیا تھا۔ رشکِ خُلدِ
بریں بن جاتی۔ اس لئے کہ حق کے سامنے باطل کو قیام نہیں
آفتاب کی موجودگی میں ظلمت و اندھیری کب باقی رہ سکتی ہے

وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَ — اور کہہ آیا حق اور نکل بھاگا باطل
زَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ — بے شک باطل ہے نکل بھاگنے
كَانَ زَهُوْقًا — والا۔

آج جو کفر کو قیام اور فروغ ہے تو اسکا اصلی باعث یہی ہے
کہ حقانیت منظرِ عام پر نہیں "مسلماں در گور و مسلمانی در کتاب"
اگر یہ خاک کے دفینے اور کتابی ذخیرے منظرِ عام پر آجائیں۔ تو
ہر باطل قوت برضا و رغبت سرنگوں ہو جائے۔ ہم حق کا نام لیکر
باطل کو باطل طریقوں سے دبانا چاہتے ہیں۔ تو لامحالہ ناکام اور
نامراد رہتے ہیں۔ یہ حق کی شکست نہیں۔ بلکہ ایک باطل کا دوسرے
باطل پر غلبہ ہے۔

اس دورِ عروج کے بعد زوال اس طرح شروع ہوا۔ کہ زندگی
کے سارے امور جو بندگی کے دائرے زیرِ قید تھے۔ آہستہ آہستہ اس
دائرہ سے نکلنے لگے۔ اور مسلمان سے وہ کام بھی سرزد ہونے
لگا جس کا داعیہ جذبۂ بندگی نہ تھا۔ اور جس سے مقصود محض رضائے

مولانہ تھی۔ بلکہ دوسری اغراض بھی شریک کار تھیں جب کا پہلا وار جہانبانی و حکمرانی پر ہوا۔ اور فسادنیت کی بدولت یہ نعمت عظمےٰ خلافت و نیابت سے گر کر حکومت و سلطنت کی جانب منتقل ہو گئی۔ اور جو خدا اور رسول کے تقرب کا اعلیٰ ترین ذریعہ تھی وہ لعبد خداوندی کا مستحکم جال بن گئی پھر اس جال کے پھندوں میں رفتہ رفتہ بہت سے امور پھنس کر ناکارہ رہ گئے اس شیطانی وار کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ مسلمانوں میں دین اور دنیا کی تفریق پیدا ہوگئی۔ جو کام محض رضاء الٰہی کے لئے ہوتے تھے وہ دین تھے۔ اور جن میں دوسری اغراض کی آمیزش ہوتی تھی۔ وُہ دنیا۔ ورنہ درحقیقت اسلام اور دنیا میں تضاد تھا۔ ملعون دنیا محبوب مسلمان کو کب مل سکتی تھی۔ البتہ مال و متاع دولت و ثروت کی ان کے یہاں کمی نہ تھی جس مایہ کو دنیا دار تجوریوں میں حفاظت سے رکھتے تھے وہ ان کے گھر کے گوشوں میں خس و خاشاک کی طرح پڑی تھی سی حیثیت سے کچھ مالدار تھے اور کچھ نادار۔ مگر دنیا دار کوئی نہ تھا۔

اگرچہ اس تغیر سے بندگی کا وسیع دائرہ محدود ہوگیا تھا۔ مگر پھر بھی وہ امور بکثرت موجود تھے۔ جو محض رضا الٰہی کے لئے

ہوتے تھے۔ اور جن کا داعیہ صرف جذبۂ بندگی ہوتا تھا۔ اور جو
تقرب الی اللہ کا ذریعہ بنتے تھے۔ مثلاً جہاد فی سبیل اللہ انفاق
فی سبیل اللہ تحصیل علم دین۔ نصرت و اعانت مسلمین۔ دعوت
الی اللہ۔ امر بالمعروف۔ نہی عن المنکر۔ وغیرہ وغیرہ ان کے علاوہ
اسلام نے جن عبادات کو محض جذبۂ بندگی کی پرورش
اور نشو ونما کے لئے مقرر کیا تھا۔ وہ فرائض خداوندی
سمجھے جاتے تھے۔ اور بلا شرکت غیرے انجام پاتے تھے۔
ان سب امور کی کثرت مداولت کے باعث وہ دنیا کا کلنگ کا
ٹیکہ ایک عرصۂ دراز تک بے نام و نشان رہا۔ اور مسلمان کی
پیشانی صاف و شفاف دکھائی دیتی رہی۔ اگرچہ حقیقت کے
اعتبار سے بعد المشرقین واقع ہو چکا تھا۔
یہ دور پھر بھی مبارک و مسعود تھا۔ اور باعث صد آفرین،
جس میں خدا پرستی زیادہ تھی اور نمایاں۔ اور اغراض پرستی بہت
کم اور بے نام و نشاں۔
غرض انحطاط کا اصلی دور اسی ایک غیر محسوس نقطہ سے شروع
ہوا۔ اور وہ بھی شیطان کا اصلی داؤ تھا کہ جس طرح بھی ہو سکے
اور جس حد تک بھی ممکن ہو سکے بندہ کو بندگی کے دائرہ سے باہر

کر دے جس کی وہ بارگاہ رب العزت میں قسم کھا چکا تھا

فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ (ص) بولا تو قسم ہے تیری عزت کی میں گمراہ کر دونگا ان سب کو

صراط مستقیم بھی وہی بندگی کا راستہ تھا جس سے اس نے مخلوق کو ہٹایا کسی سے صاف انکار کرایا اور کسی سے انکار نما اقرار۔ جن نفوس سے وہ بندگی کا انکار نہیں کرا سکتا تھا۔ ان کو دھوکہ دے کر ان کی بندگی کے دائرہ کو اس قدر محدود کر دیا۔ کہ ان کے تمام اعمال اس دائرہ سے باہر ہو گئے۔ وہ بندگی کے مدعی ضرور ہیں۔ اور بندگی کے علمبردار۔ مگر ان کے اعمال و اطوار بندگی سے بیگانہ اور نا آشنا۔

حتیٰ کہ آج دیگر اعمال کا تو پوچھنا ہی کیا۔ فرائض خداوندی تک اغراض اور منافع کے ماتحت انجام پا رہے ہیں۔ اور جو امور کہ بندگی کا اصلی سرچشمہ تھے دائرہ بندگی سے باہر ہوتے جا رہے ہیں۔ سب کچھ ہو رہا ہے۔ اور اللہ اور رسول کے نام پر ہو رہا ہے۔ مگر اس کی رضا اور خوشنودگی کے لئے نہیں۔ جذبۂ بندگی کے ماتحت نہیں۔ بلکہ اغراض و خواہشات کے زور پر۔

يَا حَسْرَتَا عَلَىٰ مَا فَرَّطْنَا ہائے افسوس اس پر جو ظلم کیا ہم نے

فِی جَنْبِ اللّٰہِ — اللہ کے بارہ میں

جیسا وہ عروج کا منتہائی نقطہ تھا۔ ایسا ہی یہ زوال کا انتہائی نقطہ ہے۔ جس سے یا رجعت ہوگی۔ یا انسانیت کا خاتمہ خدانخواستہ اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں۔ کہ مسلمان بندگی کی نعمت عظمیٰ سے محروم اور خالی ہو چکے اور اگر ایسا ہوتا۔ تو دنیا کبھی کی تہ و بالا ہو چکی ہوتی۔ کائنات کی بقا صرف بندگی کے سہارے ہے۔ اور یہی اس کی اصلی رُوح ہے جس روز روئے زمین پر کوئی اللہ کا نام لیوا نہ رہے گا۔ اسی روز یہ خاکستان پارہ پارہ ہو جائے گا جب مقصدِ تخلیق نہ رہا۔ تو اس کا بقا کیوں ہو؟

اور انجام کار یہ ہو کر رہے گا۔ جلد ہو یا بدیر لیکن ابھی بندگی کا بہت سرمایہ دنیا کے پاس موجود ہے۔ اور اس سرمایہ کی امانت دار وہی قوم ہے۔ جو ہر جگہ غریب الدیار ہے جیسا کہ مخبر صادق کی اطلاع ہے۔

بَدَأَ الْاِسْلَامُ غَرِیْبًا — اسلام غربت کی حالت میں ظاہر ہوا

وَسَیَعُوْدُ غَرِیْبًا — اور انجام کار بھی غریب ہو گا۔

اگرچہ اس سرمایۂ ایمانی سے ظاہری خزانے خالی پائیں گے

لیکن عامہ مسلمین کے ٹوٹے ہوئے دلوں میں بکثرت یہ ذخیرے مدفون ہیں۔ جو ذرا سی جنبش سے برآمد ہو جاتے ہیں۔ اور یہی شکستہ قلوب اور اجڑی ہوئی بستیاں رب العلمین کی جلوہ گاہ ہیں

غرض اللہ و رسول کی محبت و تعلق کی چنگاریاں اور جذبات بندگی۔ انتہائی فراوانی اور کثرت کے ساتھ عامہ مسلمین کے قلوب میں مرکوز اور مدفون ہیں۔ اور یہی وہ اصلی تخم ہے جس پر ایمانی زندگی کا درخت پھلتا اور پھولتا ہے۔ اور یہی وہ اصلی بنیاد ہے جس پر بندگی کی عمارت کھڑی ہوتی ہے۔ البتہ یہ ضرور ہے۔ کہ اس تخم ایمانی کی اس انداز پر پرورش نہیں جس سے ایمانی برگ و بار نمودار ہوں۔ اور اس بنیاد بندگی پر وہ تعمیر قائم نہیں جو بندگی کے مقتضی کے بالکل مطابق ہو۔ اس لئے ہمارا سارا باغ خاردار دکھائی دیتا ہے۔ اور ہماری ہر تعمیر تخریب کے ہمنوا ہوتی ہے۔

ہمارے پھول، ہمارا چمن، ہماری بہار،
ہمیں ہی جا نہیں ملتی ہے آشیانے کو

اس تخم کی صحیح پرورش اور اس بنیاد پر صحیح عمارت قائم کرنے کی ضرورت ہے۔ پھر محل بھی تیار ہے۔ اور باغیچہ بھی

بھی سرسبز و شاداب۔

ع نہیں ہے نا امید اقبال اپنی کشت ویراں سے
ذرا نم ہو۔ تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی!

یہ مدّ و جزر کی ساری کہانی اس لئے دہرائی گئی۔ تاکہ زندگی کا صحیح رُخ متعین کرنے میں کوئی دشواری نہ ہو۔ اور سہولت کے ساتھ ہم اس صراطِ مستقیم پر آجائیں۔ جو عین بندگی ہے اور اسی کے ساتھ ہماری سعادت دارین وابستہ ہے۔

مسلمانوں کا یہ انحطاط اور پستی کوئی غیر متوقع بات نہیں۔ بلکہ انتہائی زوال و پستی کا نظارہ بھی دکھلا دیا گیا تھا۔ اور مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے سب کچھ جتلا اور بتلا دیا تھا۔ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ ایک بار رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یوشك الامم ان تداعی	قریب ہے ہجوم کرینگی تم پر دیگر اقوام
علیکم کما تداعی الاکلۃ	جیسا کہ ہجوم کرتے ہیں کھانے
علیٰ قصعتھا	والے کھانے پر

اس پر کسی نے دریافت کیا:۔

ومن قلۃ نحن یومئذٍ	اور کیا ہم اس وقت کم ہونگے

ارشاد فرمایا:۔

بل انتم کثیرون ولکنکم غثاء کغثاء السیل وَ لینزعن اللہ من صدور عدوکم المھابۃ منکم و لیقذفن فی قلوبکم الوھن۔

بلکہ تم تعداد میں بہت ہو گے جھاگ کو کے دریا کے جھاگوں کی طرح اور خدا تعالیٰ تمہارے دشمنوں کے سینوں سے تمہارا رعب نکال دے گا۔ اور تمہارے دلوں میں وہن (کمزوری) پیدا کر دیگا۔

اس پر کسی نے دریافت کیا:۔

یارسول اللہ وما الوھن

یارسول اللہ وہن کیا ہے اور کمزوری کی کیا وجہ؟

ارشاد فرمایا:۔

حب الدنیا وکراھۃ الموت (مشکوٰۃ شریف)

دنیا کی محبّت اور موت کی ناگواری۔

آج مسلمانوں پر اقوامِ عالم اسی طرح گر رہی ہیں۔ جیسا مُردار پر جانور۔ اور مسلمان تعداد میں کم بھی نہیں۔ بلکہ ابتدائی دور سے ہزار ہا گُنا ہیں۔ لیکن سمندر کے جھاگوں کی طرح بے جان۔ ان میں ہر طرف کمزوری ہی کمزوری ہے۔ اس کمزوری کا باعث

کیا ہے؟ وہی دنیا کی محبت اور مادہ پرستی۔ آخرت سے غفلت اور موت کا ڈر۔ آخر یہ کیوں؟ اس لئے کہ نام کا اسلام رہ گیا۔ اور کتاب اللہ پہ عمل چھوڑ دیا۔ جیسا کہ مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی پیشین گوئی تھی۔

سیاتی علے الناس زمان	قریب ہی وہ زمانہ آئیگا۔ کہ اسلام کا
لایبقےٰ من الاسلام الا	صرف نام ہی باقی رہ جائیگا۔ اور
اسمہ ولا من القرآن الا	قرآن کے صرف نقوش رہ
رسمہ	جائیں گے۔

اس کا علاج اور مداوا اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔ کہ غفلت و مدہوشی سے بیدار ہوں اور کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے ہر حکم کو زندہ سر سبز و شاداب کریں۔ تاکہ حقیقی اسلام نمودار ہو۔ اور دنیا میں اپنے نور سے اُجالا کر دے

خلاصہ کلام :۔ زندگی کے لمحات افکار اور اعمال پر مشتمل ہوتے ہیں۔ انسان کچھ سوچتا ہے۔ پھر کچھ کرتا ہے۔ اسی فکر و عمل کی کاوش میں لمحاتِ زندگی بسر ہوتے ہیں۔

افکار و اعمال دونوں خدا اور رسول کے حکم کے ماتحت ہوں۔ ان کی مرضی اور منشا کے مطابق ہوں۔ ان کا داعیہ اور محرک

جذبۂ بندگی ہو، یہ بندگی کا مقتضی ہے۔ اور اس کا تقاضا یہ ہے۔ کہ قدم قدم پر بندہ کو اسی کی فکر ہوتی ہے۔ کہ میرا یہ کام خدا اور رسول کے حکم کے موافق ہو۔ اور مولیٰ اور آقا کی رضا اور خوشنودگی کے لئے ہو، جو کام اس نظریہ سے خالی ہوگا، وہ خط بندگی سے باہر ہوگا۔ اسی لئے قدم قدم پر لغزش کا اندیشہ ہے۔

رسول رب العالمین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے زندگی کی مثال اس خط سے دی ہے۔



یہ خطِ مستقیم صراطِ مستقیم ہے۔ اور چھوٹے چھوٹے خطوط شیطانی راستے ہیں پس جو قدم بھی صحیح قصد وارادہ سے اٹھیگا۔ وہ صراط مستقیم پر ہوگا۔ اور جس کام میں قصد وارادہ میں فتور آئے گا۔ وہی قدم شیطانی راستے پر ہوگا۔ ارشاد نبوی ہے :۔

انما الاعمال بالنیات
ولکل امرءٍ ما نوی

بلاشک وشبہ تمام اعمال کا مدار قصد اور ارادہ پر ہے۔ اور ہر انسان کیلئے وہی ہے جو اس نے ارادہ کیا ہے۔

یہی ہے وہ "اصل پل صراط" جو بال سے باریک اور تلوار سے تیز تر ہے۔ جس کو گذرنا ہے۔ اور مجبوراً ناچار گذرنا ہے۔ جو اس

صراطِ مستقیم پر قائم رہیگا۔ وہ اس پُلصراط پر بھی برق رفتاری سے گزر جائے گا، جو درحقیقت بال سے باریک اور تلوار سے تیز ہے۔ اور جہنم کا پُل ہے۔ جس کو بہرحال ہر شخص کو عبور کرنا ہے۔ یا صحیح سالم پار ہونا ہے۔ یا جہنم میں گرنا ہے۔ اسی لئے ہر کام ہر چھوٹی سے چھوٹی بات کے متعلق امرِ خداوندی موجود ہے۔ اور یہی شریعت محمدیہ کا کمال ہے۔ کہ تمام مادی امور کو اوامر خداوندی کے تحت میں لاکر ان کو ایمانی اور رُوحانی بنا دیا۔ اور رُوحانی دائرہ کو انسانی پوری زندگی پر محیط کر دیا۔ پس ہر وہ کام جو اوامر خداوندی کے تحت میں ہے رُوحانی ہے۔ اور جو کام بھی امرِ خداوندی سے غافل ہو کر کیا جائے روحانیت سے خالی اور سراسر مادیّت ہے۔ اور کھُلی گمراہی اور ضلالت۔

ایمان واسلام کا اصلی مطالبہ یہی ہے۔ کہ پورے پورے اوامر خداوندی کی صداقت کا یقین ہو۔ اور پوری طرح تعمیل حکم ہو اور کسی ایک حکم کو بھی جھٹلایا نہ جائے۔ ورنہ دنیا کی رسوائی اور آخرت کا خسران ہے:۔

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ	تو کیا مانتے ہو۔ بعض کتاب کو۔ اور
وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ فَمَا	نہیں مانتے بعض کو سو کوئی سزا نہیں

جَزَآءُ مَنْ یَّفْعَلُ ذٰلِکَ مِنْکُمْ اِلَّا خِزْیٌ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَیَوْمَ الْقِیٰمَۃِ یُرَدُّوْنَ اِلٰٓی اَشَدِّ الْعَذَابِ

اس کی جو تم میں یہ کام کرتا ہے۔ گر رسوائی دنیا کی زندگی میں اور قیامت کے دن پہنچائے جاویں سخت سے سخت عذاب میں۔

آج ہم اپنے تمام اعمال زندگی کا جائزہ لیں۔ اور کتاب اللہ کے اوامر پر ان کو منطبق کرنا چاہیں۔ تو ندامت کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے۔ کہ معدودے چند اوامر کے علاوہ ہم نے تمام کلام الٰہی کو پس پشت ڈال رکھا ہے۔ پھر اگر ہمیں دنیا میں ذلت اور رسوائی کا سامنا ہے۔ تو اس پر تعجب کیوں ہے؟ "خود کردہ را علاجے نیست" اگرچہ ایمان کا ایک مدھم ذرہ بھی بے ایمانی کی خوبیوں کے ہزارہا انبار سے ہزار درجہ اعلےٰ اور افضل اور قابل قدر و قیمت ہے۔ اس لئے انجام کار ہر ذرہ بھی ابدی عذاب سے نجات دلانے کے لئے کافی ہے۔ لیکن اصل آب و تاب جب ہی ہے کہ ایمانی پورے ذرات ہر مسلمان میں موجود ہوں جسقدر ذرات کی کمی ہوگی، اسیقدر خسارہ ہوگا۔ اور اسی کے بقدر بدنمائی ہوگی۔ جو موجب ذلت و رسوائی ہوگی۔ یہاں بھی اور وہاں بھی۔

مقصود محض احکام خداوندی کی تعمیل ہی نہیں۔ بلکہ یہ

بھی ضروری ہے۔ کہ ہر کام کی بجا آوری میں اس کے متعلقہ اوامر خداوندی پر نظر ہو۔ اور عامر جل جلالہ کی عظمت اور شان کا پورا پورا دھیان ہو

یہی ایمان واحتساب کی حقیقت ہے۔ اور اصلی رُوح ہے جو ہر عمل صالح کی جڑھ اور بنیاد ہے۔ جس کے بغیر ہر بڑے سے بڑا عمل بیکارہ ہے۔ اور اصلی اطاعت بھی یہی ہے۔ کہ ہر حکم خداوندی کو حکم ہونے کی حیثیّت سے بجا لایا جائے اس کے منافع اور فوائد پیش نظر نہ ہوں۔ تاکہ ہر عمل اغراض کی آمیزش سے پاک صاف رہے۔ منافع اور فوائد جو اس حکم کی بجا آوری پر مرتب ہوتے ہیں۔ وہ ضرور مرتب ہونگے۔ اس لئے کہ تمام اوامر خداوندی کا منشا ہی ہمیں خوبیوں سے آراستہ کرنا ہے۔ جس پر قرآن حکیم نے بار بار زور دیا ہے۔

زندگی کا اصلی سرمایہ

سرمایہ حاصل کرنے کے طریق ہیں۔ تجارت زراعت قرآن حکیم میں جگہ جگہ دنیاوی زندگی کو تجارت وزراعت کے

ساتھ تشبیہ دی ہے جسقدر بھی انسان اس کاروبار میں سرمایہ
لگائے گا اسی کی بقدر نفع اٹھائیگا۔ ارشاد ربانی ہے:-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا هَلْ
أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ تِجَارَةٍ تُنْجِيكُمْ مِنْ
عَذَابٍ أَلِيمٍ ۝ تُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ
وَتُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ
بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ
لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ يَغْفِرْ
لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ
جَنّٰتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا
الْأَنْهَارُ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً
فِي جَنّٰتِ عَدْنٍ ذٰلِكَ
الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝ وَأُخْرَىٰ
تُحِبُّونَهَا نَصْرٌ مِنَ اللّٰهِ وَ
فَتْحٌ قَرِيبٌ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ

اے ایمان والو! کیا میں تم کو ایسی
سوداگری بتلاؤں جو تم کو ایک دردناک
عذاب سے بچالے۔ تم لوگ اللہ اور اس کے
رسول پر ایمان لاؤ۔ اور اللہ کی راہ میں
تم اپنے جان و مال سے جہاد کرو۔ یہ
تمہارے لئے بہت ہی بہتر ہے۔
اگر تم کچھ سمجھ رکھتے ہو۔ اللہ تمہارے
گناہ معاف کریگا۔ اور تم کو ایسے
باغوں میں داخل کریگا جن کے نیچے
نہریں جاری ہونگی اور عمدہ مکانوں میں
جو ہمیشہ رہنے والے باغوں میں ہونگے
یہ بڑی کامیابی ہے۔ اور ایک اور بھی ہے
کہ تم اسکو پسند کرتے ہو۔ اللہ کی طرف
سے مدد اور جلد فتحیابی۔ اور آپ
مومنوں کو بشارت دیدیجئے۔

پس معلوم ہُوا کہ آخرت کی نجات اور دنیا میں فتحیابی اور کامیابی اس تجارت پر موقوف ہے جس کا سرمایہ انسان کے افکار اور اعمال و کردار ہے۔ اور اس کشت زار میں انسان جو کچھ بھی کاشت کریگا۔ اس کا پھل ضرور پائے گا۔ اس لئے کہ دنیا ایک کھیتی ہے۔ اس میں جو بوئے گا۔ وہی کاٹے گا۔ ارشاد نبوی ہے:۔

اَلدُّنْیَا مَزْرَعَۃُ الْاٰخِرَۃِ (دنیا آخرت کی کھیتی ہے)

غرض زندگی کا اصل سرمایہ اور اصل کھیتی انسان کے افکار اور اعمال و اطوار ہیں۔ جن پر دارین کی فلاح و بہبود موقوف ہے۔ اور یہی اصل متاعِ زندگانی اور سرمایۂ حیات ہے جس کے چند اہم نقود دستے ایہ ہیں۔

(۱) اللہ و رسول کے ساتھ محبّت و تعلّق

محبت ایک فطری جوہر ہے۔ جو انسان ہی میں نہیں۔ بلکہ ہر ذی رُوح میں پایا جاتا ہے۔ انسانی امتیاز یہ ہے کہ وہ اس جوہر کو صحیح مصرف پر خرچ کرتا ہے۔ سلیم الطبع انسان کا میلان اچھے کاموں، اچھی باتوں اور اچھی چیزوں کی طرف

ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے اس میں خوبصورتی اور خوشنمائی پیدا ہوتی ہے۔ اور خبیث طبائع کا میلان قبیح چیزوں کی طرف ہوتا ہے۔ جو اس کی خباثت اور قباحت کو نمایاں کرتی ہیں۔

پس انسان کے اعلیٰ و ادنےٰ ہونے کا معیار اس کا محبوب و مالوف ہے۔ جیسے کے ساتھ محبّت و الفت ہے ویسا ہی خود بھی ہے۔ چنانچہ ارشاد نبوی ہے :۔

انت مع من احببت — تو اپنے محبوب کا ہم نفا و ہم شل ہے

کند ہم جنس باہم جنس پرواز
کبوتر با کبوتر باز با باز

تمام محاسن و کمالات درحقیقت صرف اس ذات وحدہٗ لا شریک لہٗ کے لئے ہیں۔ جو تمام مخلوقات کا خالق اور پروردگار ہے۔ دوسروں پر صرف ان کا پرتو اور اثرات ہیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ — سب تعریف اس اللہ کیلئے ہے جو جہانوں کا پرورش کرنے والا ہے۔

پھر مخلوقات میں ان محاسن و کمالات کی اصل جلوہ گاہ خلاصۂ کائنات حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات ستودہ

صفات ہے۔ اس لئے کہ

(ع) بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

پس ہر سلیم الطبع انسان کی فطرت کا اصلی تقاضا یہ ہے۔ کہ اس کو اللہ اور رسول کے ساتھ کمال محبت و تعلق ہو۔ اور یہی ایمان کا مقتضیٰ ہے۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ	اور ایمان والوں کو زیادہ تر محبت ہے اللہ کی ۔

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

لا یومن عبد حتے اکون احب الیہ من اھلہ ومالہ والناس اجمعین وفی روایتہ من ولدہ و والدہ والناس اجمعین	کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ مجھ سے زیادہ محبت نہ ہو اپنے گھر والوں سے اور اپنے مال و متاع سے اور تمام لوگوں سے۔ دوسری روایت میں ہے۔ اپنی اولاد سے اور اپنے باپ سے اور تمام لوگوں سے زیادہ محبت نہ ہو

محبت کی جتنی بھی انواع تھیں سب کو ان دونوں روایتوں میں جمع فرما دیا جس کا حاصل یہ ہوا۔ کہ ہر نوع کی محبت سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت بڑھی ہوئی ہو۔ اور

ہونا بھی یہی چاہیئے۔ اس لئے کہ تمام حقوق سے بڑھ کر آپکے حقوق ہیں۔ آپؐ کی بدولت صحیح زندگی کی روشنی ملی اور آپ ہی کی بدولت دائمی عذاب سے نجات ملی۔

اگر مومن ہو کر بھی اللہ اور رسول کی محبّت میں کمی ہے۔ اور دوسری اشیاء کو غلبہ ہے۔ تو یہ خالص ایمان نہیں بلکہ فسق و ضلالت کی آمیزش ہے چنانچہ ارشادِ ربانی ہے:-

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ	تو کہہ دے۔ اگر تمہارے باپ اور
اَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ	بیٹے اور بھائی اور عورتیں اور برادری
وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ نِ	اور مال جو تم نے کمائے ہیں۔ اور
اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ	سوداگری جس کے بند ہونے سے
تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ	تم ڈرتے ہو۔ اور حویلیاں جن کو تم
تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ	پسند کرتے ہو۔ تم کو زیادہ پیاری ہیں
اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ	اللہ سے اور اس کے رسول سے اور
فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى	لڑنے سے اس کی راہ میں، تو انتظار
يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَاللّٰهُ لَا	کرو، یہاں تک کہ بھیجے اللہ اپنا حکم
يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ	اور اللہ رستہ نہیں دیتا نافرمان
	لوگوں کو۔

جن چیزوں میں بھی انسان کا دل پھنس سکتا تھا۔ آیتہ کریمہ میں سب ہی کو ذکر کر دیا گیا۔ اگر خوانخواستہ ان چیزوں کے ساتھ تعلق اللہ اور رسول کے تعلّق پر غالب آجائے۔ تو پھر عذاب الٰہی کا انتظار ناگزیر ہے۔ اس لئے کہ یہ کھلا فسق ہے۔ اور فاسقوں کے لئے راہ یابی نہیں۔

یہاں اللہ اور رسول کی محبّت کے ساتھ ساتھ جہاد فی سبیل اللہ کا بھی اضافہ کیا گیا۔ اس لئے کہ محبت و تعلق کی اعلیٰ نشانی یہی ہے۔ کہ اس کی راہ میں جان و مال عزت و آبرو سب کچھ قربان کر دیا جائے۔ اپنے محبوب پر سب کچھ ہی قربان کر دینا شیوۂ محبّت و آشنائی ہے۔ اور اس راہ میں یہ قربانی بھی کوئی وقیع سربانی نہیں۔

؎ جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے۔ کہ حق ادا نہ ہُوا

"محبّت و تعلّق کی علامات"

پہلی علامت وہی ہے۔ جس کا ابھی ذکر ہوا یعنی اللہ اور رسول کی راہ میں جہاد کرنا، اور دین محمدی کی سر سبزی، اور اوامر

خداوندی کی شادابی میں جان توڑ کر کوشش کرنا، نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :-

من احیا سنتی فقد احبنی ومن احبنی کان معی فی الجنۃ	جس نے میرے طریق کو زندہ کیا اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی۔ وہ جنت میں میرے ساتھ ہو گا ۔

یہ کوشش کا میدان اسی لئے چھوڑا گیا ہے۔ تاکہ اس ذریعہ سے انسان اللہ اور رسول کا تقرب اور رضا و خوشنودگی حاصل کر سکے ۔ ورنہ وہ مالک الملک ہر طرح بے نیاز ہے ۔ ارشاد ربانی ہے :

وَمَنْ جَاهَدَ فَإِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ	اور جو کوئی محنت اٹھاوے سو اٹھاتا ہے اپنے ہی واسطے ۔ اللہ کو پرواہ نہیں جہان والوں کی ۔

(۲) اوامر خداوندی کی عظمت و محبت اور انکی بجا آوری کی کوشش اور منہیات سے نفرت و حقارت اور ان سے اجتناب کی کوشش اور اس عظمت و محبت کا یہ اثر ہو۔ کہ اللہ اور رسول کے حکم کے سامنے اپنے تمام اختیارات مغلوب ہوں اور برضا

ور غبت سر تسلیم خم ہو۔ جیسا کہ ارشادِ ربّانی ہے:۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا	اور نہیں مومن مرد اور عورت کیلئے
مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ	جب مقرر کرے اللہ اور اس کا رسول
رَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ	کوئی کام یہ کہ رہے ان کو اختیار
الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ	اپنے کام میں اور جس نے نافرمانی کی
يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ	اللہ کی اور اس کے رسول کی۔ سو وہ
ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا (احزاب ۵)	گمراہ ہو گیا کھلی گمراہی۔

یہ امر و نہی کا سلسلہ بھی ہماری دشواری اور تنگی کے لئے نہیں۔ بلکہ اس سے مقصود ہماری پاکیزگی اور انعامات سے سرفرازی اور کمالات سے آراستگی ہے ارشاد ربّانی ہے۔

مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ	اللہ نہیں چاہتا۔ کہ تم پہ مشکل رکھے
عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ	لیکن چاہتا ہے۔ کہ تم کو پاک کرے
يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ	اور اپنا احسان پورا کیا چاہتا ہے
عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ	تم پر شاید کہ تم احسان مانو۔

(مائدہ ۲۶)

(۳) اللہ اور رسول کا بار بار تذکرہ اس لئے کہ جو چیز دل میں سمائی

ہوتی ہوتی ہے۔ باربار بے ساختہ زبان پر آتی ہے۔ اور زبان اس سے لذّت آشنا ہوتی ہے دیگر جوارح اس سے محفوظ ہوتے ہیں۔ اور دل باغ باغ ہوتا ہے۔ خوشی اور انبساط کی لہر تمام جسم میں دَوڑ جاتی ہے۔

زبان پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کے لئے

(۴) اللہ اور رسُول کے نام، کام، کلام کی غائت تعظیم و توقیر۔ جب اللہ اور رسول کا نام آئے تو ہر چیز ہیچ در ہیچ ہو۔ جب اللہ اور رسول کا کام سامنے آئے۔ تو ہر چیز اس پر قربان ہو۔ جب اللہ اور رسول کا کلام پیش ہو۔ تو سارے علوم و معارف اور تحقیقاتِ علمیہ اس کے سامنے محض خرافات ہوں۔

ارشادِ ربّانی ہے۔

وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ

اور جو کوئی ادب رکھے اللہ کے نام لگی چیزوں کا سووہ دل کی پرہیزگاری

کی بات ہے۔

دُوسری جگہ ارشاد ہے:۔

وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ

اور جو کوئی بڑائی رکھے اللہ کی حُرمتوں کی سو وہ بہتر ہے اس کے لئے اپنے ربّ کے پاس

۵۔ اللہ کے دیدار اور رسول کی ملاقات کا غائت اشتیاق اس لئے کہ وہ منتہائے محبّت اور انتہائے مقصود یہی ہے۔ کہ محبوب کا قرب اور وصال میسّر آجائے اور یہ رفاقت آخرت میں نصیب ہوگی۔ انشاءاللہ تعالےٰ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ، صحابی رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلّم سے بہت محبّت تھی۔ اور ذرا صبر نہ ہوتا تھا (اور ہر صحابی کا یہی حال تھا) ایک روز وہ خدمت نبوی میں حاضر ہوئے۔ چہرہ کا رنگ اڑا ہوا تھا۔ اور غم کے آثار نمایاں تھے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم نے دریافت فرمایا۔ کیوں رنگ بدلا ہوا ہے؟ حضرت ثوبان نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! مجھے اس کے سوا کوئی مرض اور دُکھ نہیں جب میں آپ کو نہیں دیکھتا۔ تو مجھے سخت وحشت ہوتی ہے جب تک میں آپکو دیکھ نہ لوں:

پھر مجھے آخرت کا خیال آیا اور اندیشہ ہوا۔ کہ میں وہاں آپ کو نہ دیکھ سکوں گا۔ اس لئے کہ آپ انبیاء کے ساتھ ہونگے اور میں اگر جنت میں داخل نہ ہوا۔ تو ہمیشہ کے لئے دیدار سے محروم رہوں گا۔

اس پر حق سبحانہ تعالےٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:۔

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ	اور جو لوگ حکم میں چلتے ہیں اللہ
الرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ	کے اور رسول کے، سو انکے ساتھ ہیں
الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ	جن کو اللہ نے نوازا۔ نبی اور صدیق
مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ	اور شہید اور نیک بخت۔
وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ	اور خوب ہے انکی رفاقت؛
وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا	

یہ معیت اور رفاقت ہی وہ نعمت عظمےٰ ہے جس پر ایک زندگی نہیں۔ بلکہ ہزار دل جانیں قربان کر دینا آسان ہے۔

؎ وعدہ وصل چو شود نزدیک؛ آتش شوق تیز تر گردد؛

۱۳ تقدیر پر یقین اور اللہ تعالےٰ پر اعتماد کامل

اوامر خداوندی دو قسم کے ہیں۔ ایک تشریعی۔ دوسرے

تکوینی۔ "تشریعی" اوامر وہ ہیں۔ جو انبیاء کرام کے ذریعہ نازل ہوئے۔ اور جن کا انسان مخاطب اور مکلّف ہے۔

"تکوینی اوامر" وہ اوامر ہیں۔ جن کی بدولت کارخانۂ عالم چل رہا ہے۔ اس کارخانہ کا ہر ہر ذرہ از خود متحرک نہیں۔ بلکہ قادرِ مطلق جل سجلالہٗ کے حکم اور فرمان کے تابع ہے۔ بلا حکم و اجازت کے ایک پتّہ تک حرکت کرنے سے قاصر ہے اور حق سبحانہ وتعالےٰ کا علم تمام ان امور کو محیط ہے۔ جو دنیا کی پیدائش سے لیکر اختتام تک ہونیوالے ہیں۔

وَاَنَّ اللّٰہَ قَدْ اَحَاطَ بِکُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا (طلاق) اور اللہ کے علم میں سمائی ہے ہر چیز کی۔

اور یہ تمام امور "لوحِ محفوظ" پر قلمبند اور سربند ہیں۔ جن کے موافق حکم الٰہی کے ماتحت یہ تمام ذرّے سرگرم عمل ہیں اور ایک سر مو تجاوز کرنے سے قاصر اور عاجز ہیں۔ حتےٰ کہ انسان بھی باوجود وسعتِ اختیارات کے ایک گونہ مجبور اور لاچار ہے۔ اس سے جو کچھ بھی مواخذہ اور گرفت ہے وہ اختیار اور ارادہ کی بنا پر ہے۔

غرض کارخانۂ عالم کا سارا انتظام ایک نظم و ضبط اور قانون

کے ماتحت چل رہا ہے۔ اور ہر کام میں غیبی قوت کارفرما ہے۔ وہ جو چاہے سو کرتی ہے اور جو چاہے سو حکم کرتی ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ یَفْعَلُ مَا یَشَآءُ (حج) — بیشک اللہ کرتا ہے جو چاہتا ہے

اِنَّ اللّٰہَ یَحْکُمُ مَا یُرِیْدُ — بیشک اللہ حکم کرتا ہے جس بات کا ارادہ کرتا ہے۔

قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ کُلَّہٗ لِلّٰہِ — کہدیجئے آپ بیشک حکم سب کا سب صرف اللہ کے لئے ہے۔

مشیت ایزدی اور ارادہ خداوندی اگرچہ کسی ضابطہ اور قانون کا پابند نہیں۔ اور نہ کسی طرح پابند کیا جاسکتا ہے۔ لیکن حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے اپنی حکمت اور بصیرت کے پیش نظر اپنے ہر امر کو خود ہی اپنے ضابطہ اور قانون کے ماتحت کر رکھا ہے۔ اور عادت خداوندی یہی ہے۔ کہ اکثر و بیشتر اس کیخلاف سرزد نہیں ہوتا۔

وَکَانَ اَمْرُ اللّٰہِ قَدَرًا مَّقْدُوْرًا (احزاب) — اور ہے حکم اللہ کا اندازہ مقرر کیا ہوا۔

اِنَّا کُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنٰہُ بِقَدَرٍ (قمر) — ہم نے ہر چیز بنائی اندازہ کے ساتھ۔

قَدْ جَعَلَ اللّٰہُ لِکُلِّ شَیْءٍ قَدْرًا (طلاق) تحقیق اللہ نے رکھا ہے ہر چیز کا اندازہ +

اسی کو "تقدیر" کہتے ہیں جس کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دینا عین ایمان ہے اور مقتضائے عقل و دانش

سب کام اپنے کرنا تقدیر کے حوالے
نزدیک عاقلوں کے تدبیر ہے تو یہ ہے

حضرت جابرؓ سے روائت ہے۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ تقدیر پر ایمان نہ لائے۔ چاہے وہ بات خیر ہو یا شر۔ اور اس بات کا پورا یقین ہو کہ جو بات واقع ہوئی وہ کسی طرح بھی ٹلنے والی نہ تھی۔ اور جو بات ہٹ گئی وہ کسی طرح واقع ہونے والی نہ تھی" (جمع الفوائد بروائت ترمذی")

جب انسان بے بس ہے اور اصل کرنے والا قادرِ مطلق جل جلالہٗ ہے تو پھر ہمت و ارادہ میں پوری پرواز ہو۔ اس لئے کہ اب کوئی کام بھی وسعت و قدرت سے باہر نہیں رہا۔ اور اسی کی بقدر عملی جدوجہد اور رنج و کاوش ہو۔ لیکن اگر نتیجہ برعکس ہو۔ تو حزن و ملال نہ ہو۔ اس لئے کہ اصل کرنے والے کو منظور نہ تھا۔

اور اس کی نظر ہمیشہ حکمت و مصلحت پر مبنی ہوتی ہے۔ اور اگر کامیابی ہو تو غرور و ناز نہ ہو۔ کیونکہ کرنے والا دوسرا ہے۔ اس کو محض فضل سے آلۂ کار بنایا گیا۔

لِكَيْلَا تَأْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰكُمْ (سورۃ حدید)

تاکہ تم غم نہ کھایا کرو اس پر جو ہاتھ نہ آیا۔ اور نہ ریجھا کرو اس پر جو تم کو اُس نے دیا۔

تقدیر پر یقین کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ ہر کام میں دست و پا مصروفِ کار ہونگے۔ اور دل کی توجّہ اصل کرنے والے کی جانب ہو گی۔ اور اس پر کامل اعتماد اور پورا بھروسہ ہوگا۔ جو بلند پروازی اور علو ہمّتی اور اطمینانِ خاطر اور تقویّت دل کا مکمّل سامان ہے اس لئے کہ کارفرما خود کارساز ہے۔

وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ

اور جو کوئی بھروسا رکھے اللہ پر تو وہ اس کو بس ہے۔

پس مومن کے لئے ضروری ہے۔ کہ اس کے عزم و ارادہ میں پختگی اور بلندی ہو۔ اور عمل میں چستی اور چالاکی۔ لیکن اپنی جدّ و جہد پر زعم اور گھمنڈ نہ ہو۔ بلکہ ہر حال میں اعتماد و بھروسہ اس ذاتِ پاک پر ہو۔ جس کے قبضہ میں سب کچھ ہے۔ تاکہ کام پورا بھی

ہو جائے اور پیارا بھی۔ اور آلہ کار (انسان) بھی محبوب و مرغوب بن جائے۔

فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ ط اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُتَوَکِّلِیْنَ

پس جب عزم کر لیا تو نے پھر اللہ پر بھروسہ کر۔ بیشک اللہ محبوب رکھتا ہے۔ توکل کرنیوالوں کو

پھر جو کچھ بھی عمل کے ثمرات ظاہر ہوں۔ اچھے ہوں یا بُرے ان پر مطمئن اور راضی رہے۔ اس لئے کہ وہ برائی بھی نمائشی ہے۔ ضرور اس کے اندرون میں خوبیاں پوشیدہ ہیں۔ اور اس کا انجام خیر ہی خیر ہے۔

نیز ہر کام کیلئے جہاں عزم راسخ اور عملی جدّو جہد درکار ہے وہیں اصل دینے والے سے اس کی طلب اور سوال بھی ضروری ہے۔ اور یہی کامرانی اور کامیابی کا اہم ترین راز ہے۔ اس بارگاہ عالی میں ہر سائل کی قدردانی اور حاجت روائی ہے۔ اور ارشاد ربّانی ہے۔

اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ

مجھ کو پکارو کہ پہنچوں تمہاری پکار کو

دعاء سے مقصود یہی ہے۔ کہ عبد کا اپنے معبود کے ساتھ ایسا تعلق پیدا ہو جائے۔ کہ بندہ کی جانب سے ہر کام میں

طلب اور سوال ہو۔ اور مولائے کریم کی طرف سے بخشش و عطا
ع تا نگرید طفل کے جوشد لبن

۳۔ "باہم اُلفت و محبّت"

محبّت والفت کا اصلی مرکز اور محور اللہ اور رسولؐ کی ذات ہے۔ اور حبیب اللہ اور رسول کے ساتھ محبت و تعلق کا رشتہ قائم ہو جاتا ہے۔ تو ہر وہ چیز جو خدا اور رسول کو محبوب ہو محبوب اور پیاری ہو جاتی ہے محبوب کا محبوب ہمیشہ اپنا محبوب ہوتا ہے۔

خدا اور رسول کی بارگاہ میں سب سے زیادہ محبوب اور وقیع دولت ایمان ہے۔ اس لئے کہ بندگی کا سرچشمہ یہی جوہر ہے۔ اور اس جوہر ایمانی کے مظاہر "مومنین مسلمین" ہیں۔ پس مومنوں کے ساتھ محبّت بھی محبت خداوندی کا ایک اہم شعبہ ہے جس کے بغیر ایمان کا ذائقہ نصیب نہیں ہوتا۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ و سلم کا ارشاد ہے "تین باتیں جس شخص میں ہونگی۔ وہ ایمان کا ذائقہ پائے گا۔ اللہ اور رسولؐ ہر ماسوا سے زیادہ محبوب ہوں مردِ مومن سے محبّت ہو محض اللہ کے لئے۔ کفر و شرک میں

پڑنا ایسا ہی گراں ہو۔ جیسا آگ میں گرنا" (بخاری و مسلم)

دوسری جگہ ارشاد ہے "جس نے اللہ کے لئے محبت کی۔ اور اللہ کے لئے دشمنی کی۔ اور اللہ کے لئے خرچ کیا۔ اور اللہ کے لئے خرچ سے باز رہا۔ اُس نے اپنے ایمان کی تکمیل کر لی"

یہ محبت کم از کم اتنی ہونی چاہیئے جتنی انسان کو اپنی جان سے ہوتی ہے۔ اور اس کا معیار یہ ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کے کے لئے وہی بات پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہو۔ ارشادِ نبوی ہے:۔

لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی	مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ
یُحِبَّ لِاَخِیْهِ مَا یُحِبُّ	اپنے مسلمان بھائی کیلئے وہی بات
لِنَفْسِهٖ (بخاری و مسلم)	پسند نہ کرے۔ جو اپنے لئے پسند کرتا ہو

اِسی محبت و تعلق کی بنا پر حق سبحانہ تعالےٰ نے مومنوں کے درمیان مواخاۃ اور موالات کا مستحکم رشتہ قائم فرما دیا۔ تاکہ باہم رنجش و عداوت کا بالکل خاتمہ ہو جائے۔ اور تمام مسلمان "بُنیانٌ مَّرصوص" کی طرح متحد اور متفق ہوں۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ	بیشک سب مومن بھائی بھائی ہیں

فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْکُمْ | پس صلح کرا دو اپنے دو بھائیوں میں
وَاتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمْ | اور ڈرتے رہو اللہ سے تا کہ
تُرْحَمُوْنَ (حجرات ع ۱) | تم پر رحم ہو۔

دو مسلمان بھائیوں میں مصالحت کرانا بھائی بندی کا خاصہ ہے۔ اور بھائی بندی ایمان کا خاصہ ہے:۔

اَلْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنَاتُ | سب مومن مرد و عورت ایک
بَعْضُھُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ | دوسرے کے دوست اور ولی ہیں
یَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْھَوْنَ | جو بھلائی کو پھیلاتے ہیں اور برائی
عَنِ الْمُنْکَرِ | سے روکتے ہیں +

دوستی کا خاصہ ہی یہ ہے۔ کہ دوست کے ساتھ پوری خیر خواہی ہو۔ اور اس کو ہر برائی سے باز رکھے اور باہم دوستی اور اور موالات ایمان کا خاصہ ہے۔ ارشاد نبوی ؐ ہے۔

والذی نفسی بیدہٖ | قسم اس ذات کی جس کے قبضہ
لاتدخلون الجنۃ حتے | میں میری جان ہے تم جنت میں
تومنوا ولا تومنوا حتے | داخل نہیں ہو سکتے۔ جبتک کہ تم
تحابوا الا ادلکم علے ما | مومن نہ ہو۔ اور تم مومن نہیں بن سکتے
تحابون بہ افشوا السلام | جب تک کہ باہم الفت و محبت نہ ہو

بینکم (ترمذی)

کیا وہ بات بتلاؤں جس سے باہمی الفت و محبت ہوتی ہے آپس میں سلام کیا کرو۔

جب مسلمان کے ساتھ الفت و محبت ضروری اور جزو ایمان ہوئی تو ہر وہ بات جو محبت و الفت کے منافی ہو گی۔ ممنوع اور حرام ہو گی۔ چنانچہ ارشاد نبوی ہے :۔

ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث ولا تجسسوا ولا تحسسوا ولا تنافسوا ولا تحاسدوا ولا تباغضوا ولا تدابروا وکونوا عباد الله اخوانا کما امرکم المسلم اخو المسلم لا یظلمه ولا یخذله ولا یحقره التقوی ههنا التقوی ههنا ویشیر

بچو تم بدگمانی سے۔ بدگمانی بڑی جھوٹی بات ہے۔ اور نہ مخبری کرو۔ اور نہ ٹوہ لگاؤ۔ اور نہ باہم ایک دوسرے پر فخر کرو۔ اور نہ حسد کرو۔ اور نہ بغض رکھو۔ اور نہ عداوت اور دشمنی کرو۔ اور ہو جاؤ اللہ کے بندے بھائی بھائی۔ جیسا کہ اللہ نے تمہیں حکم کیا ہے۔ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ نہ اس پر ظلم کرے اور نہ اس کو رسوا کرے۔ اور نہ اس کی تحقیر کرے۔ پرہیزگاری اس جگہ

الی صدرہ حسب امرء
من الشران یحقر اخاہ
المسلم کل المسلم علی
المسلم حرام دمہ و
عرضہ ومالہ ان اللہ لا
ینظر الی اجسادکم و لا
الی صورکم و اعمالکم
ولکن ینظر الی قلوبکم

ہے ۔ پرہیزگاری اس جگہ ہے۔ (اور اپنے سینہ مبارک کی طرف اشارہ فرمایا) بہت پوری شرارت ہے یہ بات کہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر کرے ۔ مسلمان پورا کا پورا باحرمت ہے ۔ اس کی جان بھی اور اس کی آبرو بھی ۔ اور اس کا مال بھی ۔ اللہ تعالےٰ محض تمہارے جسموں اور صورتوں اور عملوں کو نہیں دیکھتا ۔ بلکہ اس کی نظر تمہارے دلوں پر رہتی ہے ؛

ارشادِ نبوی میں جن امور سے باز رکھا ۔ ان میں سے ہر ایک انسانیت سوز اور گناہ کبیرہ اور جرم عظیم ہے ۔ اور شان اسلامی اور شیوہ ایمانی کے خلاف ہے ؛

غرض باہم الفت و محبت ایمان کا ایک اہم شعبہ ہے ۔ جس کی اولین شرط یہ ہے کہ محض اللہ کے لئے ہو ۔ اور اغراض و منافع کی گندگی سے پاک و صاف ہو ۔ اور اس کے اثرات

ونتائج یہ ہیں :۔

(۱) "ایثار"۔ اپنے مسلمان بھائی کو اپنے پر ترجیح دینا۔ اور اس کی ضرورت کو اپنی ضرورت پر مقدم رکھنا۔ جیسا کہ صحابہؓ کے اوصاف میں بیان کیا گیا ہے :۔

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ	اور ترجیح دیتے ہیں وہ دوسروں کو
وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ	اپنے پر۔ اگرچہ اُنکے لئے تنگی ہو۔

اگر اتنا ایثار اور قربانی نہ ہو۔ کہ دوسرے مسلمان بھائی کو اپنے پر ترجیح دے سکے۔ تو کم از کم درجہ یہ ہے۔ کہ دوسرے کے لئے وہی بات اختیار کرے جو اپنے لئے پسند ہو۔

۲۔ "اتفاق واتحاد" جب ایک جماعت اور قوم کے افراد میں ہر ایک کو دوسرے سے محبت والفت ہوتی ہے اور سب کا نصب العین ایک ہوتا ہے۔ تو آپس میں اتفاق و اتحاد کا مضبوط رشتہ قائم ہو جاتا ہے۔ اور جب مقصد زندگی میں تفرقہ پڑ گیا۔ تو پھر نہ الفت ومحبت باقی رہ سکتی ہے اور نہ اتفاق نہ اتحاد قائم رہ سکتا ہے۔ اور نہ اس جماعت کو عروج وفروغ ہو سکتا ہے۔ اس لئے کہ جماعت اور قوم کا عروج مقصد اور نصب العین کے بقا اور عروج کے ساتھ وابستہ

ہوتا ہے مسلمانوں کا اجتماعی اور انفرادی نصب العین اور مقصد زندگی دین الٰہی کا قیام اور استحکام اور بندگی کی زندگی ہے۔ اور اسی پر قائم رہتے ہیں انکی شیرازہ بندی ہے۔ اور آپس کا ربط و تعلق وابستہ ہے۔ جب مقصد نگاہوں سے اوجھل ہو جائے۔ تو سارے روابط ٹوٹ جائیں گے۔ اور پورا شیرازہ بکھر جائے گا۔ ارشاد خداوندی ہے۔

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا
اور مضبوط پکڑو اللہ کی رسی کو سب مل کر اور پھوٹ نہ ڈالو

دوسری جگہ ارشاد ہے۔

وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْھَبَ رِیْحُکُمْ
اور آپس میں نہ جھگڑو۔ پھر نامرد ہو جاؤگے اور جاتی رہیگی تمہاری ہوا۔

آیاتِ کریمہ میں باہمی تفرقہ اور نزاع کو سختی کے ساتھ رد کیا گیا۔ اس لئے کہ دین الٰہی کی سربلندی اور مسلمانوں کی سرسبزی اور شادابی اتفاق و اتحاد کے ساتھ وابستہ ہے اور ساتھ ساتھ اس بات پر بھی زور دیا گیا جس سے اتفاق و اتحاد باقی رہ سکتا ہے۔ اور وہ نصب العین اور مقصد زندگی کا اتفاق و اتحاد ہے جو تمام خوبیوں کی جڑ اور بنیاد ہے۔

۳۔ "اعزاز و اکرام"۔ تمام عظمت و کبریائی صرف خدا وحدہٗ لاشریک لہٗ کے لئے ہے۔ یا پھر اس ہستی کا احترام کیا جا سکتا ہے۔ جو بارگاہ خداوندی میں لائق اکرام ہو۔ بارگاہ خداوندی میں مال و متاع فانی اور عز و جاہ دنیوی کوئی قابل اعتماد شے نہیں محض ایک گرد و غبار ہے جو ہر راہرو کو خاک آلود بنا سکتا ہے۔

وَمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ — اور دنیا کی زندگی تو یہی ہے۔ دغا کی جنس۔

اور متاع اُخروی کے مقابلہ میں یہ دنیا کا سارا ساز و سامان بے حیثیت اور کم مقدار ہے۔

فَمَا مَتَاعُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا فِی الْاٰخِرَۃِ اِلَّا قَلِیْلٌ — سو نہیں دنیا کا سامان آخرت کے مقابلہ میں مگر تھوڑا سا۔

لائق ستائش قابل وقعت متاع جاودانی اور دولت ایمانی ہے جس کے ایک ذرہ کے مقابلہ میں ہزار ہا تخت خسروی پائمال ہیں۔

ع۔ کہ یکدم با خدا بودن بہ از ملک سلیمانی

ارشاد ربانی ہے:۔

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ — تحقیق بہت بزرگ تمہارا نزدیک اللہ

اَتقٰاکُمْ ط کے پرہیزگار تمہارا ہے۔

تقوےٰ ایمان کی بنیادی شے اور اصلی جڑھ ہے۔ جس کا مسکن وماوٰے انسان کا قلب مضطر ہے۔ اسی جڑھ سے ہر شاخ بار آور ہوتی ہے۔ اور اسی بناپر ایمان کی پوری عمارت تعمیر ہوتی ہے۔ یہ ذرّات ایمانی وہ جواہر ریزے ہیں جن کے سامنے آفتاب و ماہتاب بھی ماند ہیں۔ یہ فنا ہونے کیلئے نہیں بنائے گئے۔ بلکہ وہ ہمیشہ چمکنے والے ذرّات ہیں۔

پس جب جسد خاکی کے اندر یہ ذرہ جاودانی پڑ گیا۔ وہ غیر فانی عزوجاہ کا مالک ہوگیا۔ جسکی قدر و وقعت وہی نگاہ کرسکتی ہے جو بینا ہو۔ اور کور چشم کے لئے آفتاب و ماہتاب بھی ہیچ اور بے نور ہیں۔ ؎

گر نبیند بروز شپرہ چشم چشمۂ آفتاب راچہ گناہ؟

یہ ذرّات ایمانی کم و بیش تمام مسلمانوں کے قلوب میں بکھرے ہوئے ہیں۔ ادنیٰ سے ادنےٰ مسلمان بھی ان سے یکسر خالی نہیں۔ کوئی بھی مسلمان ایسا نہیں جو خدا کی خدائی اور یکتائی اور رسول کی رسالت کا معترف نہ ہو۔ ابدی عذاب سے نجات کے لئے یہ کافی ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ ہر مسلمان خدا اور رسولؐ

مرغوب اور محبوب ہے۔ اور ہمارے لئے واجب الاحترام ہے اور کسی مسلمان کی ادنٰے بے وقعتی بھی خدا اور رسول کی بارگاہ میں گوارا نہیں۔

(۴) تعاون وتناصر۔ انسان مدنی الطبع واقع ہوا ہے۔ اس کو بغیر میل جول کے چارہ کار نہیں۔ قدم قدم پر دوسروں کا کا محتاج ہے۔ ربّ العالمین نے جس قانون اساسی اور دستور فطرت کو انسان کے لئے مقرّر کیا ہے۔ وہ مدنیّت کی جان ہے۔ اور باہمی روابط کی ایسی مستحکم لڑی ہے جس کی ہر کڑی خیر ہی خیر ہے۔ شر کی ذرا گنجائش نہیں۔ اور ہر امر خیر میں اعانت و نصرت اسلامی نقطہ نگاہ سے فریضہ انسانی ہے۔ اور ہر امر شر کی اعانت و نصرت بدترین جرم انسانی ہے۔ ارشادِ ربّانی ہے

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ	اور آپس میں مدد کرو نیک کام پر
التَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى	اور پرہیزگاری پر اور مدد نہ کرو۔
الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ	گناہ پر اور زیادتی پر۔

مسلمان چونکہ خیر کے مجموعہ کا نام ہے۔ اس لئے اس کے ہر کام میں اعانت خیر کی اعانت۔ اور رب العالمین کی نصرت و اعانت کا اعلیٰ ذریعہ۔ ارشاد نبوی ہے:۔

واللہ فی عون العبد — اور اللہ تعالےٰ بندہ کی مدد کرتا ہے
ما کان العبد فی عون — جب تک بندہ اپنے مسلمان بھائی
اخیہ (مسلم) — کی مدد کرتا ہے۔

دوسری روایت میں ہے:

من کان فی حاجۃ اخیہ — جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی حاجت
کان اللہ فی حاجتہٖ — روائی میں رہتا ہے۔ حق تعالےٰ اس
کی حاجت روائی میں رہتے ہیں۔

لیکن اگر اس خیر کے تیلہ سے گندگی کے شرارے پھوٹنے لگیں۔ تو پھر اس گندگی کو اُچھالنا نہیں بلکہ مٹانا اور مٹانا انسانی اور اسلامی فریضہ ہے۔ ارشاد نبوی ہے۔

اُنصُرْ اخاک ظالما — اپنے مسلمان بھائی کی مدد کر۔ وہ
او مظلوما — ظالم ہو یا مظلوم

اس پر ایک صحابی نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ۔ مظلوم کی مدد تو معلوم ہے۔ مگر ظالم کی مدد کس طرح کی جائے؟ ارشاد فرمایا۔

تحجزہ او تمنعہ من — تو اس کو ظلم سے روکے یا منع کرے
الظلم فان ذلک نصرہ — یہی اس کی مدد ہے
(بخاری و ترمذی)

اس معمولی نصرت و مدد کا بارگاہ خداوندی میں کیا رتبہ ہے۔ اس کا اندازہ احادیث ذیل سے لگایا جا سکتا ہے۔

(۱) حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "بیواؤں اور مسکینوں کی مدد کرنے والا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کی برابر ہے۔" (بروایت صحیحین)

(۲) حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"ابو ہریرہ اگر تم اندھے کا ہاتھ پکڑ کر راستہ بتلا دو۔ تو یہ صدقہ ہے۔ اور اگر کوئی اندھے کا ہاتھ پکڑ کر میل بھر پہنچا دے۔ تو اس کے لئے اس میل کے ہر گز کے عوض ایک غلام آزاد کرنے کا ثواب ہے۔"

"ابو ہریرہ اگر تمہاری یہ آرزو ہو۔ کہ جنگ بدر کے شہید کے برابر ہو جاؤ تو کسی ایسے مسلمان کو دیکھو۔ جس کے پاس جمعہ کی نماز کیلئے کپڑا نہ ہو اور اسکو نماز کیلئے کپڑا دیدو۔ بالکل ہبہ کر دو یا مستعار دیدو"

۳۔ حضرت انس فرماتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ "جو شخص میری امت میں سے کسی کی حاجت پوری کرے محض اس لئے کہ اس شخص کا دل خوش ہو جائے۔ اس

نے مجھ کو مسرور کیا۔ اور جس نے مجھ کو مسرور کیا۔ اس نے اللہ تعالیٰ کو مسرور کیا۔ اور جس نے اللہ تعالیٰ کو مسرور کیا۔ اللہ تعالےٰ ضرور اس کو جنّت میں داخل کریگا"۔ (بیہقی)

۴۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں۔ کہ رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ "جو شخص کسی پریشان حال آدمی کی امداد کرے۔ اللہ تعالیٰ اس کے لئے تہتر "مغفرت لکھے گا۔ ایک مغفرت اس کی نجات کے لئے کافی ہے۔ اور باقی بہتّر قیامت کے دن اس کے لئے درجات ہونگے"۔ (خیرۃ المسلمین بیہقی)

۵۔ "سفارش"۔ اعانت اور مدد کا ادنےٰ درجہ یہ ہے۔ کہ اگر کوئی خود مدد نہ کر سکے۔ تو دُوسرے کو حاجتمند کی مدد پر آمادہ کر دے۔ اور یہ درجہ بھی کوئی ادنےٰ درجہ نہیں۔ بلکہ اجر و ثواب میں خود مدد کرنے کے ہم پلّہ ہے۔ ارشادِ نبویؐ ہے۔

اَلدَّالُ عَلَى الْخَيْرِ — خیر پر دلالت کرنے والا خیر کرنے والے کے برابر ہے۔

اس لئے سفارش کا حکم دیا گیا۔ ارشادِ نبویؐ ہے۔

اِشْفَعُوا تُوجَرُوا — سفارش کیا کرو۔ اجر پاؤ گے۔

مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً — جو کوئی سفارش کرے نیک بات

حَسَنَۃً یَّکُنۡ لَّہٗ نَصِیۡبٌ مِّنۡہَا۔ (قرآن حکیم) میں۔ اس کو بھی بے اس نیں سے حصّہ ۔

"۴۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی نگرانی"

انسان کا اصل تعلق اپنے خالق جلّ جلالہ سے ہے اور اسی تعلق کی بنا پر اس کی ساری مخلوقات سے وابستگی ہے اور مخلوقات سے وابستگی بغیر چارہ اور گذر بھی نہیں۔ یہ زندگی ایک سواری گاڑی ہے جس میں ہر نوع کے مسافر سوار ہیں۔ سفر جب ہی خوشگواری کے ساتھ بسر ہو سکتا ہے جب سب مِل جل کر گذاریں۔ ورنہ ہر ایک کے لئے اذیّت اور مصیبت کا سامان ہو گا۔ اسی لئے جہاں خالق جلّ جلالہ کے بندہ پر حقوق ہیں۔ وہاں تمام مخلوقات کے بھی کچھ حقوق متعیّن ہیں۔ حتّٰے کہ اپنے نفس اور اپنی جان، مال اور اہل و عیال کے بھی حقوق ہیں۔ جن کی ادائیگی میں کوشش کرنا اور افراط تفریط سے بچنا شانِ اسلامی اور خصوصیّت ایمانی ہے

خالق جل مجدہ کا حق یہ ہے۔ کہ صرف اسی کی بندگی کیجائے

اور اپنے ہر کام کو دائرہ بندگی میں محدود رکھا جائے۔ حتیٰ کہ کوئی کام کوئی حرکت و سکون بغیر حکم مولیٰ صادر نہ ہو۔ اور ہر کام سے مقصود صرف مولیٰ کی رضا اور خوشنودی ہو۔ اغراض کی آمیزش سے بالکل پاک صاف ہو۔ اس لئے کہ اغراض پرستی کفر و شرک کی روح رواں ہے اور بندگی کے لئے سمّ قاتل۔

ارشادِ خداوندی ہے۔

وَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَآءَ	اور جو شخص اللہ کی ملاقات کا امیدوار
رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا	ہو پس چاہیئے کہ عمل صالح کرے
وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖۤ	اور نہ شریک بنائے اپنے رب
اَحَدًا	کی بندگی میں کسی کو۔

حضرت معاذ رض فرماتے ہیں۔ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سواری پر سوار تھا۔ حضور اقدس نے ارشاد فرمایا

يَا مُعَاذُ هَلْ تَدْرِيْ	اے معاذ کیا تجھے معلوم ہے۔ کہ اللہ
مَا حَقُّ اللّٰهِ عَلٰى عِبَادِهٖ	کا بندوں پر حق کیا ہے؟ اور بندوں
وَمَا حَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللّٰهِ	کا حق اللہ پر کیا ہے؟

حضرت معاذ نے عرض کیا۔ اللہ اور رسول بہتر جاننے والے ہیں۔ ارشاد فرمایا۔

فَاِنَّ حَقَّ اللّٰہِ عَلَی الْعِبَادِ	اللہ کا حق بندوں پر یہ ہے۔ کہ صرف
اَنْ یَّعْبُدُوْہُ وَلَا یُشْرِکُوْا	اسی کی بندگی کریں۔ اور کسی کو اس کے
بِہٖ شَیْئًا وَحَقُّ الْعِبَادِ	ساتھ شریک کار نہ بنائیں۔ اور
عَلَی اللّٰہِ اَنْ لَّا یُعَذِّبَ	بندوں کا حق اللہ پر یہ ہے۔ کہ جو
مَنْ لَّا یُشْرِکُ بِہٖ شَیْئًا	شخص شرک نہ کرے اسکو عذاب نہ دے

ایسی بندگی کے دائرہ میں محدود رہتے ہوئے مخلوق کے حقوق مقرر کئے گئے۔ یہ "حقوق العباد" کہلاتے ہیں۔ اور ان کی ادائیگی اس لئے اور بھی ضروری ہے۔ کہ روز جزا ہر ایک حقدار کا پورا پورا حق دلایا جائے گا۔ اور یہاں کی حق تلفی وہاں کی تلافی ہوگی حقوق اللہ توبہ سے معاف ہو جاتے ہیں۔ اور حق تعالےٰ اپنے فضل و کرم سے بھی اپنے حقوق سے درگذر فرماتا ہے۔ لیکن حقوق العباد بلا رضامندی صاحب حق کے کسی طرح بھی معاف نہیں ہوتے۔

پس ہر ایک کے حقوق کا معلوم کرنا اور ان سے سبکدوشی حاصل کرنا ایک اہم ذمہ داری ہے جس سے کوئی مومن بے پرواہ نہیں ہو سکتا۔

عام مسلمانوں کے حقوق۔ ۱۔ اسلام ایک خوشنما

عمارت ہے۔ اور مسلمان اس کے اجزا ہیں۔ اور ان کے اعمال سامان آرائش و زیبائش۔ اگر اعمال میں خرابی ہوگی۔ تو سامان زیبائش و آرائش میں کمی ہوگی۔ اور ذرا سی خرابی سے ساری عمارت بدنما نظر آئے گی۔ اور اگر اجزا میں بے ربطی اور بے تعلقی ہوگی تو وہ عمارت خستہ و شکستہ ناپائیدار مثل نقش بر آب ہوگی۔ خیالی وجود ہوگا۔ اور عمارت ہر طرح نامکمل نظر آئے گی۔ ارشاد نبوی ہے۔

اَلْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهٗ بَعْضًا	مسلمان آپس میں عمارت کی طرح ہیں۔ کہ بعض کو بعض سے تقویت ہوتی ہے۔
(متفق عن البخاری و مسلم)	

پس مسلمانوں کے سارے باہمی تعلقات اسی اصول پر متفرع ہونگے۔ اور اسی نہج پر قائم ہونگے۔ کہ ہر ایک کو دوسرے سے پوری تقویت سہارا اور حوصلہ ہو۔

(۲) مسلمانوں کے تمام افراد کو ملا کر اسلام کا جسم تیار ہوتا ہے اور ہر ہر مسلمان اس جسم اسلامی کا ایک عضو ہے اور اعضا کا تناسب ہی جسم کی خوشنمائی ہے۔ اور اعضاء کے روابط اور تعلقات ہی سے جسم کی بقا ہے۔ پس باہمی روابط اس طرح قائم ہونے

ضروری ہیں۔ کہ ایک عضو کی تکلیف سے تمام اعضاء مضطرب اور بے چین ہو جائیں اور سارا جسم مضمحل ہو جاتے۔ ارشاد نبوی ہے :-

مثل المومنین فی توادھم	مومنوں کی مثال محبّت، رحمت
وتراحمھم وتعاطفھم	وشفقت میں جسم کی طرح ہے۔
مثل الجسد اذا اشتکی	جب ایک عضو کو تکلیف ہوتی ہے
منہ عضو اتداعی لہ	تو تمام جسم بے چین اور بے خواب
سائر الجسد بالسھر	لرزہ بر اندام ہو جاتا ہے۔
والحمیٰ (رواہ البخاری ومسلم)	

پس مسلمانوں کا باہمی تعلق ایسا ہونا چاہیئے۔ کہ ایک مسلمان کی تکلیف سے سارے مسلمان بے چین اور پریشان حال ہو جائیں اور یہ بے چینی اور پریشانی اختیاری نہ ہو۔ بلکہ اضطراری ہو۔ کہ تعلق خاطر کی وجہ سے خود بخود مضطرب ہو۔

(۳) مسلمانوں کا سارا مجموعہ ایک ہی عمارت اور ایک ہی جسم وجان ہے۔ تو اپنے میں اور دوسرے میں کوئی فرق و امتیاز نہیں اور یہ یگانگت اور دوئی کی تفریق باقی نہیں رہتی۔ اپنا اور دوسرے کا معاملہ ایک ہو جاتا ہے۔ اور ہر معاملہ کو ایک ہی نظر سے

جانچی اور پرکھا جاتا ہے۔ چنانچہ ارشاد نبوی ہے۔

لا یومن احدکم حتٰی	کوئی شخص مومن نہیں بن سکتا جب
یحب لاخیہ ما یحب	تک کہ اپنے بھائی کیلئے وہی بات
لنفسہا (نزھۃ عن البخاری ومسلم)	پسند نہ کرے جسکو اپنے لئے پسند کرتا ہے

پس ہر معاملہ سے پہلے اپنے کو اچھی طرح ٹٹول لے۔ اگر وہ بات خود کو پسند ہو۔ تو دوسرے کے لئے اختیار کرے ورنہ اس کو رد کرے۔

یہ چند اصولی باتیں ہی ہیں۔ جو تمام حقوق اسلامی کی روح رواں ہیں۔ اور بمنزل اصول اور قواعد کلیہ کے ہیں۔ جن پر سارے حقوق کی بنا ہے۔ مختلف احادیث میں ان حقوق کی جانب اجمالی اشارہ بھی کیا گیا ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ "مسلمان کے مسلمان پر چھ حق ہیں۔ ۱ جب ملاقات ہو تو سلام کرے۔ ۲ جب کھانے پر بلائے تو قبول کرے۔ ۳ جب نصیحت کا موقع ہو۔ تو نصیحت کرے۔ ۴ جب چھینکے۔ اور الحمد للہ کہے تو یرحمک اللہ کہے۔ ۵ جب بیمار ہو۔ تو عیادت کرے۔ ۶ جب مر جائے۔ تو اس کے جنازہ کے ساتھ جائے

(نزھۃ از مسلم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مسلمانوں کے تجھ پر چار حق ہیں۔ اُن سے اچھی طرح ملنا۔ ان کے خطا و قصور سے درگذر کرنا۔ روٹھے ہوئے کو منانا۔ جو شخص برائی کر کے نادم و شرمسار ہو۔ اس سے محبت کرنا اور اس کی ندامت کو قبول کرنا۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔" مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ نہ اس پر ظلم کرے اور نہ اس کو رسوا کرے جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی حاجت روائی میں مشغول ہو گا حق تعالےٰ اس کی حاجات کو پورا فرماویں گے۔ اور جو شخص مسلمان سے مشقت کو دور کریگا۔ حق تعالےٰ اس کی آخرت کی مشقتوں کو دور فرمادینگے۔ اور جو شخص مسلمان کی پردہ پوشی کریگا حق تعالےٰ قیامت میں اس کی پردہ پوشی فرمادیں گے۔ (ترغیب از بخاری و مسلم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا"۔ جو شخص مسلمان بھائی کی حاجت روائی کی خاطر کسی وقت دن یا رات میں چند قدم تھوڑی دیر چلے۔ وہ حاجت پوری ہو یا نہ ہو بہرحال دو مہینہ کے اعتکاف سے بہتر ہے (ترغیب)

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا"۔ اللہ کے

ایسے بھی بندے ہیں۔ جن کو دوسروں کی حاجت روائی کے لئے پیدا کیا ہے۔ اور اپنے اوپر لازم کرلیا ہے۔ کہ انکو کسی قسم کی سزا اور عذاب نہ ہوگا۔ قیامت میں ان کے لئے نورانی کرسیاں بچھائی جائیں گی۔ وہ رب العزت کی ہمکلامی سے مشرف ہوں گے۔ اور دوسرے لوگ حساب کی پریشانی میں مبتلا ہونگے (ترغیب)

ایک شخص خدمت نبوی میں حاضر ہوا اور عرض کیا "یا رسول اللہ! اللہ کے یہاں سب سے زیادہ محبوب کون ہے؟ ارشاد فرمایا۔ وہ شخص جو سب سے زیادہ لوگوں کو نفع پہنچائے۔ محبوب ترین عمل اللہ عزوجل کے نزدیک مسلمان کو خوش کرنا ہے۔ اس کی کسی تکلیف کو دور کرے یا اس کے قرض کو ادا کرے یا بھوکے کو کھانا کھلائے۔ مجھے کسی مسلمان کی حاجت روائی کے لئے جانا اس مسجد (مسجد نبوی) میں ایک مہینہ اعتکاف کرنے سے زیادہ محبوب اور پسند ہے۔

جو شخص مسلمان کے مقابلہ میں اپنے غصہ کو دبائے اور اس کو غصہ ہونے پر پوری قدرت بھی ہو۔ تو حق تعالےٰ قیامت کے روز اس کے سینہ کو اپنی رضا اور خوشنودگی سے بھرپور کردیں

گے۔ جو شخص مسلمان کی حاجت کے لئے قدم اٹھائے۔ اللہ اس کی حاجت کو پورا کرے۔ حق تعالیٰ اس کو ایسے وقت میں ثابت قدم رکھے گا۔ جبکہ مخلوق کے قدم ڈگمگا رہے ہونگے۔ (منذری)

پس معلوم ہوا۔ کہ مسلمان کی حاجت روائی۔ پردہ پوشی۔ خدمتگذاری۔ خاطرداری۔ ہمدردی۔ غمگساری۔ خیر خواہی۔ خوش کلامی۔ خوش مذاقی۔ یہ سب امور اللہ اور رسول کو پسند ہیں۔ اور بہترین عبادت ہیں۔ اسی طرح مسلمانوں کی ایذا رسانی۔ بے توقیری۔ رسوائی۔ پردہ دری۔ بدکلامی، ظلم و تعدی بدترین جرم ہیں۔ اور قابل گرفت اور مواخذ ہیں۔ ارشاد نبویؐ ہے۔

اَلْمُسْلِمُ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ عِرْضُهٗ وَمَالُهٗ وَدَمُهٗ — مسلمان کی ہر چیز عزت و آبرو مال و جان دوسرے مسلمان پر حرام ہے

حقوق اسلامی کی ایک اہم کڑی "اصلاح بین الناس" ہے۔ دو ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑ دینا ہر نیکی سے بالاتر ہے، حتےٰ کہ اس کے لئے ہر کوشش روا ہے۔ ارشاد ربانی ہے،

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ — بیشک مومن بھائی بھائی ہیں۔ پس اپنے بھائیوں میں صلح کراؤ۔

دوسری جگہ ارشاد ہے۔

لَا خَیْرَ فِیْ کَثِیْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۢ بَیْنَ النَّاسِ

کچھ اچھی نہیں انکی اکثر سرگوشی مگر جو کوئی کہ کہے صدقہ کرنے کو یا نیک کام کرنے کو۔ یا صلح کرانے کو لوگوں میں ⁂

مسلمانوں کو تو خوشگواری اور شگفتگی ہی زیب دیتی ہے۔ ناگواری اور بے تعلقی اسلامی شان کے سراسر خلاف ہے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "مسلمان کیلئے یہ بات کسی طرح حلال نہیں کہ تین روز سے زائد اپنے مسلمان بھائی کو چھوڑے رکھے۔ دونوں ملیں اور ایک دوسرے سے اعراض کرے اور منہ پھیرے اور بہتر ان میں سے وہ ہے جو صلح کی طرف بڑھے اور سلام سے ابتدا کرے (از ہدایہ بخاری ومسلم)

حقوق اسلامی میں یہ بات بھی شامل ہے۔ کہ مسلمان کی ہر حالت میں اعانت وامداد کی جائے۔ چنانچہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔

اُنْصُرْ اَخَاكَ ظَالِمًا اَوْ مَظْلُوْمًا

اپنے بھائی کی مدد کرو۔ خواہ ظالم ہو یا مظلوم ⁂

ایک شخص نے عرض کیا۔ مظلوم کی امداد کا طریق معلوم ہے

لیکن ظالم کی امداد کس طرح کی جائے؟

ارشاد فرمایا:۔

تحجزہ وتمنعہ من الظلم فان ذلك نصرہ ۔ (از خود من البخاری) ظالم کو ظلم سے باز رکھنا بھی اس کی امداد ہے

اور سب سے بڑا حق مسلمان کا مسلمان پر ہر وقت اور ہر حال میں اس کی نصیحت اور خیر خواہی ہے ۔ دنیا کی خیر بھی مطلوب ہو اور آخرت کی خیر بھی مطلوب ہو۔ جو بات بھی کسی کے دینی یا دنیوی نقصان کی ہو۔ دوسرے مسلمانوں کے فرائض میں سے ہے ۔ کہ تا بمقدور اس سے بچائیں اور خیر کی طرف بلائیں ۔ اس لئے کہ دین از اوّل تا آخر نصیحت و خیر خواہی پر مبنی ہے۔

ارشادِ نبوی ہے:۔

الدین النصیحۃ (از خود عن مسلم) دین سراسر نصیحت اور خیر خواہی ہے۔

یہ عام مسلمانوں کے حقوق ہیں پس جو شخص اسلامی اور ایمانی حیثیت سے جس قدر ممتاز اور اعلےٰ ہو گا ۔ اسی قدر اس کے حقوق زائد ہوں گے ۔ اور زیادہ ادب و احترام و خدمتگذاری اور نیازمندی کا مستحق ہو گا ۔ اور ہر ایک کے ساتھ اس کے رتبہ کے موافق معاملہ ہو گا ۔

ع۔ "گر فرقِ مراتب نہ کنی زندیقی"

چنانچہ ارشاد نبوی ہے۔

لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَعْرِفْ حَقَّ كَبِيْرِنَا	ہم میں سے نہیں جو شخص ہمارے بڑے کا حق نہ پہچانے

اور رسولِ خدا کی بارگاہ میں بُرا وہی شمار ہوگا جو اسلامی حیثیت سے ممتاز ہوگا۔

والدین اور اقرباء کے حقوق ﴿ قرابت کے لحاظ سے قرابت والوں کے حقوق

ہیں۔ جو جس قدر قریب تر رشتہ دار ہوگا اسی قدر اس کے حقوق لازم ہونگے۔ رشتہ داروں کے حقوق کو شریعت مطہرہ میں بہت زیادہ اہمیت اور فوقیت ہے۔ حکم ربانی ہے۔

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ	اور دے قرابت والے کو اس کا حق
وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ	اور مسکین کو اور ابن السبیل (رہگیر) کو
وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا	اور نہ اسراف کر پورا اسراف

رشتہ داروں کے حقوق کے لئے شریعت میں "صلہ رحم" کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے جس کا ماحصل یہ ہے۔ کہ رشتوں کو جوڑنا اور رشتہ داروں سے خوشگوار تعلقات قائم رکھنا اور ان کی

خبرگیری اور خدمتگزاری اور احوال پُرسی کرنا۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ کہ رشتہ عرش الٰہی کے ساتھ وابستہ رہتا ہے۔ اور ہر وقت یہ دُعا مانگتا ہے۔ جو مجھ کو جوڑے۔ خُدا اس کے ساتھ تعلق جوڑے رکھے۔ اور جو مجھ کو توڑے۔ خُدا اس کے ساتھ کا تعلق توڑ دے (ترجمہ از بخاری و مسلم)

رشتہ کی جب وہاں تک رسائی ہے۔ تو اس کی دُعا کو بھی ضرور باریابی ہو گی۔

عام مسلمانوں کے ساتھ تعلق قائم کرنے اور نہ کرنے کا ہر شخص کو اختیار ہے لیکن رشتہ داروں کے ساتھ تعلقات کا قائم کرنا اور حقِ قرابت کی نگہداشت کرنا ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے۔ اگر ایسا نہ کیا۔ تو یہ قطع رحم شمار ہو گا۔ جو "کبیرہ گناہ" ہے اور سخت سزا کا موجب ہے

رشتہ داروں کے ساتھ تعلقات تو بہرحال رکھتے ہوں گے خواہ ان کو توڑیں یا جوڑیں چنانچہ ارشاد نبوی ہے:-

لَيْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُكَافِيْ ۔ وَلٰكِنَّ الْوَاصِلَ الَّذِيْ اِذَا قُطِعَتْ رَحِمُهٗ وَصَلَهَا (ترجمہ عن البخاری)

رشتہ کو جوڑنے والا وہ نہیں جو دوسرے کے تعلق کی مکافات کر رہا ہو بلکہ اصل رشتہ کو جوڑنیوالا وہ ہے جو

رشتہ داروں کی بے تعلقی پر بھی تعلق
کو قائم رکھے۔

اور ظاہر ہے۔ تعلق جوڑنے والے کے ساتھ تعلق رکھنا کوئی بڑی خوبی کی بات نہیں۔ اس کے ساتھ بے تعلقی تو سراسر دنائت اور کمینہ پن ہے۔ مردانگی اور خوبی کی بات تو یہ ہے۔ کہ ہر اس رشتہ دار سے بھی تعلق رکھے۔ جو سراسر تعلق کو ٹھکرا رہا ہو۔ اور رشتہ کو پائمال کر رہا ہو۔

صَلْ مَنْ قَطَعَكَ — صلہ رحمی کر اس رشتہ دار کے ساتھ جو قطع تعلق کر رہا ہو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے "جو شخص رزق کی زیادتی اور عمر کی درازی کا خواہشمند ہو۔ اس کو رشتہ داروں کے ساتھ تعلق بڑھانا چاہیئے"۔ یعنی صلہ رحمی سے عمر بھی دراز ہوتی ہے۔ اور رزق میں وسعت اور افزونی ہوتی ہے (ترجمہ عن البخاری)

غرض جو شخص جس قدر رشتہ میں قریب ہے۔ اسی قدر وہ تعلق و محبت کا مستحق ہے۔ اقرباء میں سب سے زیادہ والدین کے تعلق کو اہمیت ہے۔ اس لئے کہ تمام تعلقات کی جڑ اور بنیاد

یہی ہیں۔ ارشادِ ربانی ہے:۔

وَقَضٰی رَبُّکَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاہُ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا۔ اِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَکَ الْکِبَرَ اَحَدُھُمَآ اَوْ کِلٰھُمَا فَلَا تَقُلْ لَّھُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْھَرْھُمَا وَقُلْ لَّھُمَا قَوْلًا کَرِیْمًا وَاخْفِضْ لَھُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَۃِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْھُمَا کَمَا رَبَّیٰنِیْ صَغِیْرًا ؕ

اور حکم کر چکا تیرا رب کہ نہ بندگی کرو اس کے سوا کسی کی۔ اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو۔ اگر پہنچ جائیں تیرے سامنے بڑھاپے کو ایک ان میں سے یا دونو۔ تو نہ کہہ ان کو "ہوں" اور نہ جھڑک انکو اور کہہ ان سے بات ادب کی۔ اور جھکا دے ان کے آگے کندھے عاجزی کے نیازمندی سے اور کہہ اے رب ان پر رحم کر جیسا پالا انہوں نے مجھ کو چھوٹا سا۔

آیت کریمہ سے چند باتیں ظاہر ہوتی ہیں:۔

۱۔ والدین کے ساتھ حسن سلوک اور احسان اور چونکہ یہ بندگی کا اعلےٰ کارنامہ ہے۔ اس لئے بندگی کے حکم کے ساتھ ساتھ اس کو بھی ذکر کیا گیا۔

۲۔ والدین کا خاطر ادب انکی ناگوار و نازیبا باتوں پیچو بڑھاپے

کی وجہ سے ظاہر ہوں۔ ان کو جھڑکنا اور منع کرنا تو درکنار ان کے سامنے اُف بھی کرنا زیبا اور روا نہیں۔

۳۔ والدین کے ساتھ گفتگو ادب و احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہو۔ غائت اعزاز اور اکرام کے ساتھ ان سے خطاب کیا جائے۔

۴۔ والدین کی بزرگی اور برتری کے ساتھ اپنی خوردی اور فروتنی کا مظاہرہ بھی ہو۔

۵۔ والدین نے جس رحمت و شفقت کا بچپن میں اس کے ساتھ برتاؤ کیا ہے۔ اور اپنی آغوشِ رحمت میں شفقت و محبّت کے ساتھ اس کی پرورش کی ہے۔ وہ ہر وقت پیشِ نظر رہے اور چونکہ اس کی مکافات اس کے دائرہ قدرت سے باہر ہے۔ اس لئے بارگاہ ربّ العزّت میں التجا کرے۔ کہ اس کی پوری جزا ان کو مرحمت فرماوے۔ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا ط

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلّم سے دریافت کیا۔ کہ کون سا عمل اللہ تعالٰے کو زیادہ پسند ہے؟ ارشاد فرمایا۔ "وقت پر نماز ادا

کرنا" میں نے عرض کیا۔ پھر کونسا؟ ارشاد فرمایا" والدین کے ساتھ نیکی کرنا" میں نے عرض کیا۔ پھر کونسا؟ ارشاد فرمایا۔ " اللہ کی راہ میں جہاد کرنا" (نزھۃ از بخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضؓ فرماتے ہیں۔ کہ ایک شخص بارگاہ نبوی میں حاضر ہوا۔ اور عرض کیا۔" یارسول اللہ ص! میرے حسن برتاؤ کا کون زیادہ مستحق ہے؟ ارشاد فرمایا" تیری ماں" عرض کیا پھر کون ہے؟ ارشاد فرمایا" تیری ماں" عرض کیا" پھر کون ہے۔ ارشاد فرمایا" تیری ماں" ہے۔ عرض کیا" پھر کون ہے ارشاد فرمایا" تیرا باپ" ہے (نزھۃ از بخاری مسلم)

ایک اور روائت میں ہے۔ یارسول اللہ حسن سلوک کا کون زیادہ حقدار ہے؟ ارشاد فرمایا" تیری ماں" پھر تیری ماں۔ پھر تیرا باپ۔ پھر اس سے نزدیک پھر اس سے قریب"

ماں چونکہ خدمت کی زیادہ محتاج ہوتی ہے۔ اور اولاد کی پرورش میں زیادہ مشقت بھی اسی کو اٹھانی پڑتی ہے۔ اس لئے خدمت میں اس کا درجہ بڑھا ہوا ہے۔ اور رتبہ اور عظمت میں باپ کا درجہ بڑھا ہوا ہے۔ لیکن اگر باپ بھی خدمت کا محتاج ہو۔ تو وہ بھی اپنی عظمت و بزرگی کی وجہ سے خدمت

گذاری میں بھی مقدم ہو گا۔

غرض والدین کی فرمانبرداری اور خدمت گذاری اہم فرائض سے ہے۔ اور بڑی اہم ذمہ داری ہے۔ حضرت عبداللہؓ بن عمر کی ایک بیوی تھی جس سے ان کو بہت محبت تھی لیکن ان کے باپ حضرت عمرؓ اس کو ناپسند رکھتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے بیٹے کو طلاق دینے کا حکم فرمایا۔ بیٹے نے اپنی محبت کی وجہ سے طلاق دینے میں تامّل کیا۔ حضرت عمرؓ نے بارگاہ نبویؐ میں اس کا تذکرہ کیا۔ تو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عمر کو طلاق کا مشورہ دیا۔ تاکہ باپ کی نافرمانی اور ناراضگی نہ ہو (ترمذی ابوداؤد و ترمذی)

حضرت ابو درداء کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا۔ اور عرض کیا۔ "میرے ایک ہی بیوی ہے اور میری ماں مجھ کو اس کی طلاق کے لئے کہتی ہے۔ میں کیا کروں؟ حضرت ابو درداء نے فرمایا۔ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے آپ نے ارشاد فرمایا:۔

والد اوسط ابواب	والد جنّت کا وسطانی دروازہ ہے
الجنة فان شئت فاضع	چاہے اس دروازہ کو ضائع کرے

ذالک الباب او احفظہ	یا اس کی نگہبانی کرے۔

(منتخب از ترمذی)

اور باپ اور ماں دونوں ایک ہی حکم میں ہیں۔ یہ دونوں حدیثیں والدین کی اطاعت و فرمانبرداری کا اعلےٰ نمونہ ہیں۔ اور امت کے لئے اسوۂ حسنہ ہیں۔ اور اس حد تک فرمانبرداری ان کے حقوق کی غایت پاسداری ہے۔ اس لئے کہ والدین کی نافرمانی بدترین جرم اور "اکبرالکبائر" ہے۔

ارشاد نبویؐ ہے۔

اکبرالکبائر الاشراک باللہ وعقوق الوالدین	کبیرہ گناہوں میں سب سے بڑا گناہ اللہ کے ساتھ شرک ہے۔ اور والدین کی نافرمانی۔

(از صحیح البخاری)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے دورِ حیات میں ایک جوان تھا جس کو علقمہ کہتے تھے۔ وہ بیمار ہوا۔ اور سخت بیمار ہوا۔ لوگوں نے اس کو کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کی تلقین کی لیکن اس کی زبان اس کے لئے نہ اٹھتی تھی۔ یہ واقعہ بارگاہ نبوی میں عرض کیا گیا۔ آپ نے دریافت فرمایا۔ کیا اس کے والدین زندہ ہیں؟ عرض کیا گیا۔ باپ تو

مرچکا۔ لیکن بوڑھی ماں زندہ ہے حضور اقدس نے آدمی بھیج کر بڑھیا کو منگایا۔ اور علقمہ کا حال دریافت کیا۔ بڑھیا نے کہا۔ یارسول اللہ! بہت نمازیں پڑھتا تھا۔ اور بکثرت روزے رکھتا تھا۔ اور اسقدر صدقہ و خیرات کرتا تھا جس کا اندازہ اور شمار ہم نہیں کر سکتے۔ حضور اقدس نے ارشاد فرمایا۔ تیرے ساتھ اس کا معاملہ کیسا تھا؟ عرض کیا۔ یارسول اللہ میں اس سے ناراض اور کبیدہ تھی۔ ارشاد فرمایا۔ یہ کیوں؟ عرض کیا۔ مجھ پر اپنی بیوی کو ترجیح دیتا تھا۔ اور اکثر اس کی باتوں کو مانتا تھا۔ ارشاد فرمایا۔ ماں کی ناراضگی نے اس کو لا الٰہ الا اللہ کی شہادت سے روک رکھا ہے۔ پھر حضرت بلال رضؓ کو حکم فرمایا کہ بہت سی لکڑیاں جمع کر کے اس کو آگ میں جلا دو۔ اس پر بڑھیا گھبرا گئی۔ اور عرض کیا۔ یارسول اللہ! میرا بیٹا، میرا جگر گوشہ میرے سامنے آپ اس کو آگ میں جلواتے ہیں۔ میں کس طرح اس کو برداشت کر سکتی ہوں؟ ارشاد فرمایا۔ اگر تو اس کی مغفرت چاہتی ہے۔ تو اس سے راضی ہو جا۔ قسم اس ذات کی، جس کے قبضہ میں میری جان ہے اس کا نماز، صدقہ، روزہ، کچھ بھی نفع نہیں دے سکتا جب تک تو اس سے راضی

ہے۔ بڑھیا نے اپنا ہاتھ اٹھایا اور کہا۔ میں اللہ کو اور یا رسول اللہ آپ کو اور تمام حاضرین کو گواہ کرتی ہوں کہ میں اس سے راضی ہو گئی۔ حضور اقدس نے ارشاد فرمایا۔ بلال جاؤ۔ اور دیکھو۔ کہ علقمہ کی زبان پر لا الہ الا اللہ جاری ہو گیا۔ یا نہیں۔ شائد اس کی ماں نے اوپرے دل سے محض لحاظ میں یہ کہا حضرت بلال جب انکے دروازہ پر پہنچے۔ تو علقمہ کی آواز کان میں پڑی۔ کہ لا الٰہ الا اللہ کہہ رہے تھے۔ اور اسی روز ان کا انتقال ہو گیا۔ غسل اور کفن دیا گیا۔ اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے انکی نماز جنازہ پڑھائی۔ پھر قبر پر کھڑے ہو کر ارشاد فرمایا:۔

یا معشر المہاجرین و الانصار من فضل زوجتہ علی امہ فعلیہ لعنۃ اللہ فلا یقبل منہ صرف ولا عدل	اے گروہ مہاجرین اور انصار! جو شخص اپنی بیوی کو اپنی ماں پر ترجیح دے گا۔ اس پر اللہ کی لعنت و پھٹکار۔ اور نہ اس کے فرائض قبول ہونگے نہ نوافل۔

یہ واقعہ از اوّل تا آخر عبرت ہی عبرت ہے اور سبق ہی سبق ہے جس سے والدین کی نافرمانی اور ناراضگی کا انجام بد

آشکارا ہے۔ یہ آخرت کی سزا اور گرفت ہے۔ دنیا کی سزا کو ایک حدیث قدسی میں اس طرح بیان فرمایا ہے :-

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ اے موسیٰ والدین کی عزت وتوقیر کیا کرو۔ جو شخص اپنے والدین کی عزت وتوقیر کرتا ہے۔ میں اس کی عمر کو دراز کرتا ہوں۔ اور اس کو ایسی اولاد دیتا ہوں۔ جو اس کے ساتھ بھلائی اور نیکی کرے۔ اور جو شخص والدین کی نافرمانی کرتا ہے۔ میں اس کی عمر کو کوتاہ کرتا ہوں۔ اور اس کو ایسی اولاد دیتا ہوں جو اس کی نافرمانی کرے انوٹھا خالہ کا رتبہ ماں کے برابر ہے۔ اور تایا و چچا اور بڑا بھائی باپ کے برابر ہیں۔ چنانچہ احادیث نبوی میں اسکی صراحت ہے

اولاد کے حقوق اور تربیت

جہاں اولاد پر ماں باپ کے حقوق ہیں۔ وہیں ماں باپ پر بھی اولاد کی اہم ذمہ داریاں عائد ہیں۔ بچے اسلام کے جگر گوشے اور امت مسلمہ کی بیش بہا امانت ہوتے ہیں۔ ان کی ذمہ داریوں کا احساس نہ کرنا اور لاپروائی سے ان کو خراب وآوارہ کرنا، یہ اسلامی جرم ہے۔ اور قومی نقصان ہے۔

ارشاد نبوی ہے

كفى بالمرء اثماً ان يضيع من يقوت — کافی بڑا گناہ ہے یہ کہ جس شخص کو کھلا پلا کر پرورش کیا۔ اس کو ضائع اور برباد کرے

ہر نومولود بچہ کی فطرت سلیم اور صالح ہوتی ہے۔ والدین کی بے اعتنائی اور بدعنوانی اسمیں ہر قسم کا بگاڑ اور خرابیاں پیدا کرتی ہے۔ چنانچہ ارشاد نبوی ہے۔

كل مولود يولد على الفطرة ثم ابواه يهودانه وينصرانه — ہر مولود فطرت سلیمہ پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے والدین اس کو یہودی اور نصرانی بناتے ہیں۔

تو اولاد کی ساری ذمہ داری ماں باپ پر ہے۔ اور وہی اس کی حفاظت و نگرانی کے مامور ہیں۔ ارشاد ربانی ہے۔

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ — اے ایمان والو بچاؤ اپنی جانوں کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے جس کی جھپٹیاں آدمی اور پتھر ہیں۔

یعنی خود بھی اچھے کام کرو۔ اور بری باتوں سے پرہیز کرو۔ اور تمام گھر والوں کو بھی اچھی باتوں کا خوگر بناؤ۔ اور بری باتوں سے باز رکھو۔ ان کو اچھی تعلیم و تربیت دو۔ اور اچھے آداب سکھلاؤ۔

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ اپنی اولاد کو نماز کا حکم کرو جب وہ سات سال کی ہو جائے۔ اور جب دس سال کی ہو جائے تو ترک نماز پر زدو کوب کرو۔ اور ان کا بستر بھی علیحدہ کر دو۔ کہ اب وہ بڑے ہو گئے (ترجمہ)

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: "بچّہ کا ساتویں روز عقیقہ کیا جائے۔ اور نام رکھا جائے۔ اور بال اتروائے جائیں۔ جب چھ سال کا ہو جائے تو اس کو ادب اور تمیز سکھائے۔ جب نو سال کا ہو جائے۔ تو اس کا بستره علیحدہ کرے۔ اور جب تیرہ سال کا ہو جائے۔ تو نماز چھوڑنے پر اس کو مارا جائے۔ جب سولہ سال کا ہو جائے تو اس کا نکاح کر دے۔ پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کو سمجھائے۔ کہ میں نے تجھ کو ادب و سلیقہ سکھلایا۔ اور تیرا نکاح کیا۔ اب ایسی طرح زندگی گزار کہ خدا تیری وجہ سے مجھے دنیا میں مصیبت میں اور آخرت میں عذاب میں مبتلا نہ کرے۔

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے" کہ بچّہ کا باپ پر یہ حق ہے۔ کہ اس کو اچھی تعلیم و تربیت دے۔ اور اچھا نام رکھے" (ترجمہ)

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ بچہ کے باپ
پر تین حق ہیں (۱) جب پیدا ہو۔ تو اس کا اچھا نام رکھے (۲) جب
ہوشیار ہو جائے تو اس کو کتاب اللہ کی تعلیم دے (۳)
جب بالغ ہو جائے تو اس کی شادی کرے (کنزیم)

احادیث مذکورہ سے اولاد کے حقوق اور اپنی ذمہ داری
معلوم ہو گئی۔ اب ان میں کوتاہی جس سے اولاد خراب اور آوارہ
وناکارہ ہو جائے۔ یہ اپنا قصور ہے۔ نہ کہ اولاد کا جرم۔

ایک شخص اپنے بیٹے کو حضرت عمرؓ کی خدمت میں لے کر
حاضر ہوا۔ اور عرض کیا۔ یہ میری نافرمانی کرتا ہے۔ حضرت عمرؓ
نے لڑکے سے کہا۔ تو اپنے والد کی نافرمانی سے نہیں ڈرتا۔
والد کے تجھ پر یہ حقوق ہیں۔ لڑکے نے عرض کیا۔ امیر المومنین!
کیا بیٹے کا والد پر کوئی حق نہیں؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ بیٹے
کا حق یہ ہے۔ کہ ماں اس کی شریف خاندان کی منتخب عورت
ہو اور اس کا اچھا نام رکھا جائے۔ اور اس کو مذہبی تعلیم دی
جائے۔ لڑکے نے کہا "واللہ" نہ تو میری ماں شریف منتخب
کی گئی۔ بلکہ چار سو درہم میں خریدی ہوئی ایک عورت ہے اور
نہ میرا نام ہی اچھا رکھا گیا۔ اور نہ مجھے ایک بات شریعت

کی تبلائی گئی حضرت عمرؓ اس کے باپ کی طرف متوجہ ہوئے اور ارشاد فرمایا۔ تو کہتا ہے۔ کہ میرا بیٹا نافرمانی کرتا ہے۔ اور پہلے تو نے ہی اس کی حق تلفی کی۔ اور اس کو ہر خیر سے محروم رکھا۔ جا دور ہو۔ (نزہۃ)

امام ابو اللیث سمرقندی بیان فرماتے ہیں۔ کہ ایک شخص عالم کے پاس آیا۔ اور کہا۔ میرا بیٹا مجھ کو مارتا ہے۔

عالم۔ سبحان اللہ کیا بیٹا بھی باپ کو مار سکتا ہے؟

شخص۔ ہاں مجھے مارا اور دھمکایا۔

عالم۔ تو نے اس کو علم و ادب سکھایا تھا؟

شخص۔ نہیں۔

عالم۔ پھر کیا سکھلایا تھا؟

شخص۔ زراعت۔ اور کھیتی باڑی۔

عالم۔ معلوم ہے۔ یہ کیوں مارتا ہے۔ جب یہ صبح کے وقت گدھے پر سوار ہو کر کھیت پہ جاتا ہے۔ تو اپنی لاعلمی اور جہالت کی وجہ سے تجھے ڈھور ڈنگر سمجھتا ہے۔ اور زدو کوب کرتا ہے۔ جا خدا کا شکر کر کہ ایسی حالت میں اس نے تجھے بالکل ختم نہیں کیا۔

پڑوس کے حقوق انسان کی خوش وقتی کا مدار پڑوس کی حسن و خوبی پر ہے۔ اگر پڑوس اچھا ہے۔ خوش اخلاق خوش معاملہ۔ بامروت۔ صاحب غیرت و حمیت ہے۔ تو وقت راحت سے گزر جائے گا۔ اور زندگی کے دن آرام کے ساتھ گزرینگے۔ اور اگر پڑوس برا ہے بدخلق، بد معاملہ، کجرو۔ بے حیا۔ بے غیرت، بد طینت ہے تو ہر وقت کی کوفت اور اذیت ہے۔ اور زندگی وبالِ جان ہو جاتی ہے۔ وقت کا کاٹنا دوبھر ہو جاتا ہے۔ اسی لئے سکونت اور قیام سے پہلے شریف ماحول اور اچھے پڑوس کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ اور اسی کی حفاظت اور نگرانی کے لئے پڑوس کے حقوق مقرر کئے گئے۔ اور ان کے ساتھ حسن سلوک اور احسان کا حکم دیا گیا۔ چنانچہ حکم ربانی ہے:۔

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَ لَا	اور بندگی کرو اللہ کی اور شریک نہ
تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ	کرو اس کا کسی کو۔ اور ماں باپ کے ساتھ
اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَ	نیکی کرو۔ اور قرابت والوں کے ساتھ
الْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ	اور یتیموں اور فقیروں اور ہمسایہ قریب
ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ	اور ہمسایہ اجنبی کے ساتھ

پس معلوم ہُوا۔ کہ پڑوس چاہے وہ اقربا ہوں یا اجانب بہرحال لطف وکرم اور سلوک کے احسان کے مستحق ہیں چنانچہ ارشادِ نبوی ہے۔ پڑوس تین قسم ہیں۔ ایک وہ جس کا ایک حق ہے۔ وہ پڑوس جس کے دو حق ہیں۔ وہ پڑوس جس کے تین حق ہیں۔

جس کے تین حق ہیں وہ پڑوسی ہے۔ جو مسلمان بھی ہو۔ اور قرابت دار بھی ہو۔ ایک حق جوار ہے۔ دُوسرا حق اسلام ہے۔ تیسرا حق قرابت ہے۔

وہ پڑوسی جس کے دو حق ہیں وہ ہے۔ جو مسلمان ہو۔ مگر قرابتدار نہ ہو۔ ایک حق جوار ہے۔ دُوسرا حق اسلام ہے۔

وہ پڑوس جس کا ایک حق ہے۔ غیر مسلم پڑوسی ہے۔ کہ یہ بھی حق جوار سے محروم نہیں ہوتا (ترجمہ)

ان حقوق کی ادائیگی کی اہمیت اور تحقیق کا اس سے اندازہ لگائیے۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ مجھ کو جبرئیل امین نے اتنی بار پڑوس کے متعلق تاکید کی۔ کہ مجھے اندیشہ پیدا ہو گیا۔ کہ انجام کار کہیں پڑوس کو بھی وارث نہ بنا دیا جائے (ترجمہ از بخاری مسلم)

چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خادم حضرت ابوذر کو حکم دے رکھا تھا۔ کہ جب شوربا پکایا کرو۔ تو اس میں پانی زیادہ ڈال دیا کرو۔ تاکہ پڑوس کے یہاں بھیجا جا سکے۔ (نزھۃ از بخاری و مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر کے یہاں ایک دفعہ بکری ذبح ہوئی آپ نے بار بار غلام سے فرمایا۔ پہلے ہمارے یہودی پڑوسی کے ہاں پہنچانا۔ غلام نے دریافت کیا۔ آپ بار بار کیوں فرما رہے ہیں؟ فرمایا۔ اس لئے کہ ہمیں پڑوس کے متعلق بہت زیادہ تاکید کی گئی ہے (نزھۃ) پڑوس کے بعض حقوق کو ایک حدیث نبوی میں بتلایا گیا ہے۔ ارشاد ہے۔

معلوم ہے۔ حق جوار کیا ہے؟ حقوق جوار یہ ہیں۔ اگر اعانت طلب کرے۔ تو اسکی مدد کی جائے۔ اگر قرض مانگے۔ تو قرض دیا جائے۔ اگر محتاج ہو۔ تو حاجت روائی کی جائے۔ اگر بیمار ہو تو عیادت کیجائے۔ اگر مر جائے تو جنازہ کی مشایعت کی جائے۔ اپنے گھر کی دیوار کو بلا اجازت بلند کر کے اس کے گھر کی ہوا کو نہ روکا جائے۔ اگر پھل یا کوئی چیز خرید ے تو اسکو ھدیہ بھیجے۔ اگر ہدیہ نہیں بھیج سکتا تو پھر اس شئے کو پوشیدہ طور سے بجائے۔ اپنے بچہ کے

ہاتھ میں ایسی چیز نہ دے جسکو دیکھ کر اس کا بچّہ ضد کرے۔ اپنی ہانڈی کی خوشبو سے اس کو پریشان نہ کرے۔ ورنہ اس کو اس ہانڈی میں سے تحفہ دے۔

معلوم ہے حق جوار کیا ہے؟ قسم اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ پڑوس کے حق صرف وہی شخص پورا کرسکتا ہے جس کے فضل الٰہی شامل حال ہو۔ ورنہ اس کے حقوق تو بے پایاں ہیں۔ (ازھم)

جب پڑوس کے ساتھ ہر نوع کی مراعات مطلوب ہیں۔ تو اس کی ادنیٰ ایذا رسانی بھی گوارا نہیں۔ ارشادِ نبوی ہے۔

من کان یومن باللہ	جو شخص اللہ پر اور روز قیامت پر یقین
والیوم الاخر فلا یوذ	رکھتا ہو۔ وہ اپنے پڑوس کو تکلیف
جارہ (ازھم عن البخاری والمسلم)	نہ پہنچائے۔

جس شخص کو اللہ پر ایمان اور روزِ حشر کا یقین ہوگا۔ وہ کسی حال میں بھی پڑوس کو اذیّت پہنچا کر آخرت کی سخت سزا کو گوارا نہ کریگا۔ ایک مرتبہ بارگاہ نبوی میں عرض کیا گیا۔ یا رسول اللہ! فلاں عورت بہت نیک ہے۔ رات بھر نماز پڑھتی ہے اور دن کو روزہ رکھتی ہے۔ لیکن زبان دراز ہے جس کی وجہ سے پڑوسیوں کو اذیّت

پہنچتی ہے۔ ارشاد فرمایا:۔

لاخیر فیہا ھی فی النار (نزھۃ) — اس عورت میں کوئی خوبی نہیں۔ یہ مستحق عذاب ہے۔

ایک مرتبہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

وَاللہِ لَا یُؤْمِنُ (خدا کی قسم مومن نہیں ہو سکتا) واللہ لا یومن (خدا کی قسم مومن نہیں ہو سکتا) وَاللہِ لَا یُؤْمِنُ (خدا کی قسم مومن نہیں ہو سکتا) عرض کیا گیا۔ یا رسول اللہ کون؟ ارشاد فرمایا۔

الذی لا یامن جارہ بوائقہ (نزھۃ عن البخاری ومسلم) — وہ شخص جس کی شر سے اس کا پڑوس محفوظ نہ ہو۔

پھر پڑوس میں بھی وہ شخص مقدم اور راجح ہوگا جس کا گھر اس کے گھر سے زیادہ متصل ہوگا۔ جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔

آقا اور غلام کے تعلقات

ہر شخص یا دوسرے کا ماتحت ہوگا۔ یا دوسرے اس کے ماتحت ہونگے۔ یا حاکم بھی ہوگا اور محکوم بھی پس ضروری ہے کہ حاکم و محکوم اور آقا و غلام کے تعلقات بھی استوار ہوں۔ نہ کسی کی حق تلفی ہو۔ اور نہ کسی پر ظلم و تعدے ہو۔ اس لئے آقا اور

غلام کے حقوق کو واضح کر دیا گیا۔

آقا کے حقوق آقا کے حقوق یہ ہیں۔ خدمتگزاری وفاداری۔ امانت داری۔ رازداری خیر خواہی نگہبانی۔ رضا جوئی جو شخص ان حقوق کی پاسداری کرے۔ اور اپنے مجازی آقا کو خوش رکھے۔ وہ یقیناً اجر و ثواب کا مستحق ہے بشرطیکہ اس کی وجہ سے حقیقی آقا کی نافرمانی اور ناراضگی نہ ہو

ارشاد نبوی ہے:۔

المملوک الذی یحسن عبادۃ ربہ ویؤدی الی سیدہ الذی علیہ من الحق والنصیحۃ و الطاعۃ لہ اجران	جو غلام اپنے پروردگار کی بندگی اچھی طرح کرے۔ اور اپنے آقا کی حق شناسی خیر خواہی فرمانبرداری کرے۔ اس کے لئے دوہرا ثواب ہے۔ (از فتح عن البخاری)

یعنی جیسا کہ مالک حقیقی کی بندگی کا اجر و ثواب ملے گا ویسے ہی مالک مجازی کی حقوق کی ادائیگی پر اجر و ثواب ہوگا۔ اس لئے کہ اس نے اس انسان کے جو کچھ بھی حقوق ادا کئے۔ یہ مالک حقیقی کے حکم کی تعمیل اور بجا آوری تھی۔ اور گویا اسی کی اطاعت و بندگی تھی۔

غلام اور نوکر کے حقوق

غلام اور نوکر بھی انسان ہونے ہیں وہ بھی ہمارے بھائی ہیں۔ اور ہمارے جدّ امجد آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں پس تمام انسانی اور برادری حقوق کے مستحق ہیں۔ یہ خدا کا بڑا فضل وکرم ہے۔ کہ اس نے بعض انسانوں کو بعض کا محتاج اور ماتحت بنا دیا۔ ورنہ دنیا کا سارا انتظام درہم برہم ہو جاتا۔ اور یہ کارخانہ ایک لمحہ بھی نہ چل سکتا۔ پس اپنے آقا ہونے پر نازاں نہ ہو۔ بلکہ ان انسانوں کا شکر گذار ہو۔ جو اس کے لئے ذریعہ سہولت و آسائش بنے ہوئے ہیں۔ اور ان کے ساتھ پوری مراعات کرے۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ یہ تمہارے بھائی ہیں۔ اور تمہارے رشتہ دار ہیں۔ جس شخص کا بھائی اس کے زیر دست اور ماتحت ہو۔ تو وہ جو کچھ خود کھائے۔ وہی اسکو کھلائے جیسا خود پہنے ویسا ہی اسکو پہنائے۔ طاقت سے زائد مشقت کا کام نہ بتلائے۔ اگر کوئی مشقت کا کام ہو۔ تو خود بھی اس کی اعانت کرے۔ غرض ہر طرح کی مراعات ہو۔ اور پوری مدارات ہو اور دلداری ہو۔

۵۔ "معاملات کی درستگی"

حقوق العباد کی اہم ترین کڑی اور بڑی ذمہ داری معاملات کی درستگی ہے جس سے انسان کی دیانت اور شرافت جانچی جاتی ہے۔ اور یہی اسلامی تعلیمات کی رُوح رواں ہے۔ بد معاملہ انسان انسان نہیں۔ بلکہ انسان نما درندہ ہے۔ اور ایسا مسلمان ہے۔ جو اسلام کے لئے بدنما داغ ہے امیر المومنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے۔

لاتنظروا الی صیام	کسی شخص کے نماز روزہ کو دیکھ کر
احد ولا الی صلوتہ ولکن	دھوکہ مت کھاؤ۔ بلکہ جب بات کرے
انظروا الی صدق حدیثہ	تو اس کی سچائی کو دیکھو۔ اور جب
اذا حدث والی ورعہ	معاملہ کرے تو اس کی دیانتداری
اذا عامل والی امانتہ	کو دیکھو۔ اور جب امانت رکھوائی جائے
اذا اؤتمن (سیرۃ عمر از ابن جوزی)	تو اس کی امانتداری کو دیکھو۔

پس انسانیت کا اصلی معیار اور اسلام کا اصلی تقاضا معاملات کی درستی ہے۔ اور اسی درستی اور شائستگی کو پیدا کرنے کے لئے فرائض خداوندی مقرر کئے گئے۔ چنانچہ ارشاد

خداوندی ہے :-

اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْہٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ	بیشک نماز فحش اور بُرے کاموں سے روکتی ہے ۔

پس فرائض خداوندی کی ادائیگی کے اثرات اعمال پر ظاہر ہونے لازمی ہیں ۔ اگر انسان کے ظاہری اعمال اس کے فرائض کے ہمنوا اور مطابق نہیں ۔ تو وہ فرائض محض پوست ہیں ۔ مغز سے خالی اور بے رُوح کے ڈھانچے ہیں ۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں :-

المقصود من جمیع الطاعات توجہ النفس الناطقۃ الی جناب اللہ عزوجل وتخلیتہا عن الرذایل وتحلیتہا بالشمایل حتے تصیر ھذہ الملکۃ لھا (تفہیمات ج ۲ ص ۴۶)	تمام طاعات سے مقصود دو امر ہیں ایک یہ کہ نفس انسانی حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ کی طرف متوجہ ہو ۔ دوسرے یہ کہ نفس تمام رذائل اور خبائث سے پاک صاف ہو جائے ۔ اور خوبیوں سے آراستہ ہو جائے ۔ حتیٰ کہ یہ امور نفس کے لئے ملکہ راسخہ اور طبیعت ثانیہ بن جائیں

حُسن معاملہ سے لوگ گرویدہ ہوتے ہیں ۔ اور منظور نظر اور محبوب خلائق بنتا ہے ۔ اور بدمعاملگی سے لوگ متنفر اور بیزار

ہوتے ہیں۔ اور لوگوں کی نگاہوں سے گرتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو درداء سے ارشاد فرمایا۔

یا ابا الدرداء احسن	اے ابو درداء جو بھی تمہارے پاس آئے
مجاملة من جاورک	اس کے ساتھ اچھا معاملہ کرو۔ تم
تکن موافقا واحب للناس	دل پسند اور محبوب بن جاؤ گے۔ اور
ماتحب لنفسک تکن	لوگوں کے لئے وہی بات پسند کرو۔
مسلما	جو اپنے لئے پسند ہو۔ تب مسلمان ہو گے

حسن معاملہ کے چند اہم پہلو یہ ہیں۔ (۱) سچائی اور راستی۔

راستی موجب رضائے خدا ست
کس ندیدم کہ گم شد از راہ راست

سچائی اور راستی انسان کا اصلی جوہر ہے جس سے انسانیت کو زیب و زینت ہے معاملات کی درستگی ہے۔ اور زندگی کی خوشنمائی ہے۔ راست گوئی اور سچے لوگوں کی ہمنشینی شیوہ ایمانی ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا	اے ایمان والو! ڈرتے رہو
اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ	اللہ سے۔ اور ہو جاؤ سچوں
الصّٰدِقِیْنَ	کے ساتھ

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ سچ نیکی کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔ اور نیکی جنت کی طرف راہنمائی کرتی ہے انسان جب ہمیشہ سچ بولتا ہے۔ تو حق تعالےٰ "صدیقین" کے زمرہ میں اسکو لکھوا دیتے ہیں۔ اور جھوٹ فسق و فجور کیطرف راہنمائی کرتا ہے۔ اور فسق و فجور جہنم میں لیجاتے ہیں۔ انسان جب ہمیشہ جھوٹ بولتا ہے۔ تو حق تعالےٰ اس کو "کاذبین" کے زمرہ میں لکھوا دیتے ہیں حضرت ابن عباس فرماتے ہیں سچائی حیا۔ حسن خلق۔ شکر۔ یہ چار باتیں جس شخص میں موجود ہونگی۔ اس کی زندگی ہر حیثیت سے سود مند اور خوشگوار ہوگی"۔ (ترجمہ)

غرض سچائی اور راستگوئی سراسر فلاح و بہبودی ہے۔ اور دروغ گوئی بدترین عیب ہے۔ اور پوری ہلاکت و بربادی ہے دروغ گو کا نہ دنیا میں کوئی اعتبار نہ آخرت میں کہیں راہ فرار

الصدق ینجی والکذب یھلک
سچ نجات دیتا ہے اور جھوٹ ہلاک کرتا ہے۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ منافق کی تین علامتیں ہیں۔ جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔ جب وعدہ کرے۔ تو الیفانہ کرے۔ جب امانت رکھوائے تو خیانت

کرے ۔ انتہیٰ از بخاری و مسلم ۔

۱۴۔ امانت داری۔ کسی کی چیز کی بحفاظت واپسی، اور کسی کی بات کی رازداری، اور کسی کے عیوب کی پردہ داری، یہ سب امور امانت داری میں داخل ہیں۔ ان کا خلاف سراسر خیانت ہے، جو بدترین خباثت اور رذالت ہے۔ چنانچہ حکم خداوندی ہے:-

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمَانَاتِ اِلٰۤی اَھْلِھَا۔	بیشک اللہ تم کو حکم فرماتا ہے۔ کہ پہنچا دو امانتیں امانت والوں کو

امانت داری انسان کا اصلی جوہر ہے۔ اور ایمان کی خصوصی نشانی ہے۔ ارشادِ نبوی ہے۔

لا ایمان لمن لا امانۃ له ولا دین لمن لا عهد له (جمع الفوائد عن احمد)	جس شخص میں امانت داری نہیں اسکا ایمان بھی نہیں۔ اور جس میں عہد کی پابندی نہیں۔ اس میں دین بھی نہیں ÷

صحیحین کی روایت میں ہے:-

ادّ الامانۃ الیٰ من ائتمنک ولا تخن من خانک	امانت کو اس شخص کے حوالہ کر جس نے امانت رکھوائی۔ اور خائن کے ساتھ بھی خیانت نہ کر ÷

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ مومن میں ہر

خصلت پائی جاسکتی ہے۔ بجز خیانت اور جھوٹ کے۔ یہ دونوں خصلتیں ایمان کے منافی ہیں۔ اس لئے ایمان کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتیں۔

روزِ حشر ایک بندہ کو رب العزۃ کے سامنے پیش کیا جائے گا حق تعالیٰ اس سے دریافت فرمائیں گے۔ فلاں شخص کی امانت واپس کردی تھی؟ وہ عرض کریگا نہیں" حقتعالیٰ ایک فرشتہ کو حکم فرمائیں گے۔ وہ اس کو پکڑ کر جہنم میں لیجائیگا۔ امانت بعینہ جہنم کی تہ میں پڑی ہوگی۔ جس کو لانے کیلئے جہنم میں ڈالا جائے گا۔ ستر سال میں اس امانت تک پہنچیگا۔ اور اس کو لے کر واپس جب جہنم کے دروازہ پر پہنچے گا تو پھر پھسل کر گر جائے گا۔ اور یہی معاملہ ہوتا رہیگا۔ تاکہ رحمتِ باری شامل نہ ہو۔ اور صاحب امانت کو رب کریم کی طرف سے رضا مند اور خوشنود نہ کیا جائے۔ اسی عذاب میں مبتلا رہیگا۔

رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ امانت عنقریب دنیا سے اٹھ جائیگی۔ لوگوں کے معاملات بدستور قائم رہینگے۔ لیکن امانت و دیانت سے خالی ہوں گے۔ اور چیدہ چیدہ شاذ و نادر کوئی امانتدار ملے گا؛

۳-انصاف پسندی - عدل و انصاف بھی جوہرِ انسانی اور خوئے ایمانی ہے۔ جس سے مسلمان کو زیب و زینت ہے ارشادِ نبوی ہے۔ جس شخص کا معاملہ ناانصافی سے خالی ہو۔ اور بات میں جھوٹ مکر و فریب نہ ہو۔ وہ پورا بامروت ہے کھلا منصف مزاج ہے۔ اس سے تعلقات یگانگت کا قائم رکھنا ضروری ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ پانچ شخص ہیں جن پر حق تعالےٰ غضبناک ہوتے ہیں۔ امیرِ قوم جو رعایا سے اپنے حقوق ادا کرائے اور خود ان کے ساتھ انصاف نہ کرے۔ اور ان سے ظلم و تعدّی کی مدافعت نہ کرے۔ سردارِ قوم جس کی لوگ بات مانتے ہوں۔ پھر بھی وہ قوی اور ضعیف اعلیٰ اور ادنےٰ میں برابری نہ کرے۔ اور خلاف انصاف کرے۔ اور خواہشات کی پیروی کرے۔ وہ شخص جو اپنے اہل و عیال کو اللہ کی اطاعت اور فرمانبرداری کی تاکید نہ کرے۔ اور انکو دینی تعلیم سے محروم رکھے۔ وہ شخص جو اجرت پر کام لے لیکن مزدور کا پورا حق ادا نہ کرے۔ وہ شخص جو بیوی کا مہر ادا نہ کرے۔

یہاں جس کے ساتھ بھی جس نوع کی بھی بے انصافی ہوگی۔ مجرم و

خطا کار ہوگا۔ اور روز حشر جواب دہی کرنی پڑیگی پس عدل و انصاف دیانت داری اور تقوٰے و پرہیزگاری کی اصل جڑ اور بنیاد ہے۔ ارشاد ربانی ہے:۔

(۱) اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ؎	انصاف کیا کرو۔ یہ زیادہ قریب ہے پرہیزگاری کے
(۲) اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ	بیشک اللہ حکم کرتا ہے انصاف کا اور احسان کا۔
(۳) اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ	بیشک اللہ محبت کرتا ہے۔ انصاف کرنیوالوں سے

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ انصاف کرنے والے جو اپنے معاملات میں انصاف کو پیش نظر رکھتے ہیں۔ قیامت میں غائت اعزاز و اکرام کی وجہ سے رب العلمین کی داہنی جانب نورانی کرسیوں پر رونق افروز ہونگے

۴۔ "حق گوئی"۔ یہ بھی انصاف ہی میں داخل ہے۔ کہ جو بات کہی جائے حق کہی جائے۔ ناحق کسی کی طرفداری نہ ہو۔ کسی کی رعائت اور لحاظ سے ناحق کی حمائت نہ ہو۔ حق گوئی راست کرداری کی روح رواں ہے۔ چنانچہ حکم خداوندی ہے۔

وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ـ يُصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ

اور کہو بات سیدھی۔ کہ سنوار دے تمہارے واسطے تمہارے کام۔

ہر بات جب حق و صداقت پر مبنی ہوگی۔ تو سارے معاملات خود بخود راست پر استوار ہونگے۔ نہ کہیں زیلخ ہوگا۔ نہ کوئی خرابی پیش آئے گی۔ اور نہ کسی کو بے اعتمادی اور بدگوئی کا موقع ملے گا۔

۵۔ عہد و پیمان کی پابندی: جب کسی کے ساتھ عہد و پیمان کیا جائے۔ تو اس کو پورا کرنا عقل و دانش کا تقاضا ہے۔ عہد کا منشا یہ ہوتا ہے۔ کہ اس کو پورا کیا جائے۔ اور اس کی پابندی کی جائے۔ عہد شکنی عقل دشمنی اور کھلی بے ایمانی ہے۔ مومن تو وفاء عہد کا مامور اور مکلّف ہے۔ حکم ربانی ہے:۔

وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا

اور پورا کرو عہد کو۔ بے شک عہد کی پوچھ ہوگی۔

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے وفا عہد کی ہر طرح تاکید فرمائی اور صاف طور پر ارشاد فرمایا:۔

لَا دِيْنَ لِمَنْ لَا عَهْدَ

جس شخص میں عہد کی پابندی نہیں۔

لہٗ اس میں دین بھی نہیں ؎

۶۔ "وعدہ کو پورا کرنا"۔ وعدہ بھی عہد و پیمان کی ایک شاخ ہے۔ جیسا کہ عہد و پیمان کا انسان پابند ہوتا ہے۔ وعدہ کا بھی پابند ہوتا ہے۔ اور اس کو پورا کرنا کرامت و شرافت کی نشانی ہے۔

اَلْکَرِیْمُ اِذَا وَعَدَ وَفَا — کریم جب وعدہ کرتا ہے تو پورا کرتا ہے

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ منافق کی تین علامتیں ہیں۔ جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔ جب وعدہ کرے تو وفا نہ کرے۔ جب امانت رکھوایا جائے۔ تو خیانت کرے (بخاری)

دُوسری روایت میں ہے۔ چار اُمور ہیں جس شخص میں ہوں گے وہ خالص منافق ہے۔ اور جس میں ان میں سے ایک خصلت ہو گی۔ اس میں نفاق کی ایک خصلت پائی جاتی ہے تاوقتیکہ کہ اس خصلت کو ترک نہ کرے۔ جب امانت رکھوایا جائے تو خیانت کرے۔ جب[۲] بات کرے تو جھوٹ بولے جب[۳] وعدہ کرے تو وفا نہ کرے۔ جب جھگڑا کرے۔ تو بیہودہ الفاظ بکے (بخاری شریف)

مسلمان کی زبان کا بولا ہوا لفظ بہت کچھ وقعت و حیثیت رکھتا ہے۔ پس اس کا زبانی وعدہ بھی قرض کی دستاویز سے کسی طرح کم شمار نہ ہوگا۔ چنانچہ ارشاد نبوی ہے۔

العدۃ دین (وعدہ قرض ہے)

۷۔ "قرض کی ادائیگی" قرض حسنہ دینا نہایت اجر و ثواب کا باعث ہے۔ اور اس کا اجر و ثواب صدقہ و خیرات کے اجر و ثواب سے بہت بڑھا ہوا ہے۔ اس لئے کہ قرض سے انسان کی حاجت روائی بھی ہو جاتی ہے اور اس کے عادات و خصائل بھی درست رہتے ہیں۔ مفت خوری کی قبیح عادت نہیں پڑتی۔ اور اوساخ ناس سے محفوظ رہتا ہے لیکن قرض لینے کے بعد اس کی ادائیگی کا اہتمام و انصرام اشد ضروری ہے۔ تاکہ دینے والے کو وقت پر پریشانی نہ ہو۔ اور لوگوں پر قرض کا دروازہ مسدود نہ ہو چنانچہ جہاں قرض دینے کی غایت ترغیب دی گئی ہے۔ وہاں قرض کی ادائیگی کا بھی پورا اہتمام ہے قرض لینے والے دو نوع کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جن پر ہزارہا روپیہ بھی ہو۔ تو وہ ایسی ہیں تاامل اور پس و پیش نہ کریں۔ اور فوراً ادا کر دیں۔ یہ مومنین خالصین کی علامت ہے۔ دوسرے

وہ کہ ایک روپیہ بھی ہو۔ تو اس کی ادائیگی میں ٹال مٹول اور آج کل کرتے ہیں۔ یہ منافقین کی نشانی ہے۔ چنانچہ دونو گروہ کا تذکرہ اللہ رب العزّت نے فرمایا ہے:-

وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا۔

اور بعض اہل کتاب میں وہ ہیں۔ اگر تو انکے پاس رکھے ڈھیر مال کا تو ادا کریں تجھ کو۔ اور بعضے ان میں وہ ہیں۔ اگر تو امانت رکھے ایک اشرفی تو نہ ادا کریں تجھ کو۔ مگر جبتک کہ رہے تو اس کے سر پر کھڑا۔

رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ جو شخص کسی سے قرض لے اور اس کی ادائیگی کا ارادہ ہو تو حق تعالےٰ اس کو ادا کر دیتے ہیں۔ اور جو شخص قرض لے اور ادائیگی کی نیّت نہ ہو بلکہ اس کے مال کو برباد کرنا مقصود ہو۔ تو حق تعالےٰ اس شخص کو برباد کر دیتے ہیں (جمع الفوائد بروائت بخاری)

ایک روائت میں ہے جو شخص قرض لے اور اس کی ادائیگی کا قصد نہ ہو۔ تو بارگاہِ ایزدی میں چور کی حیثیت سے پیش ہوگا (جمع الفوائد بروائت قزوینی)

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ کبیرہ گناہوں کے بعد سب سے اہم گناہ جس کو انسان لے کر اللہ رب العزت کے سامنے پیش ہوتا ہے۔ یہ ہے کہ مقروض دنیا سے جائے اور قرض کی ادائیگی کا سامان نہ ہو (جمع الفوائد بروایت ابوداؤد) اس لئے کہ یہ شخص دوسروں کا بوجھ اپنے ساتھ لے گیا۔ اور جب دنیا میں ادائیگی کا کوئی سامان نہیں چھوڑا۔ تو لامحالہ آخرت میں ادا کرایا جائے گا۔ دوسروں کا حق رائیگاں نہیں جا سکتا چنانچہ شہید کے تمام چھوٹے بڑے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں لیکن قرض بدستور باقی رہتا ہے۔ اور اس کی ادائیگی کرائی جاتی ہے

۸۔ تقویٰ و پرہیزگاری: تمام اعمال اور معاملات کی اصلاح اور درستی کا دارومدار تقوے اور پرہیزگاری پر ہے۔ اور یہی اسلام و ایمان کی شرح و روح ہے۔ ارشاد ربانی ہے:۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اے ایمان والو ڈرتے رہو تم اللہ اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ سے اس کے خوف کے لائق

حق تقویٰ اور مقتضائے بندگی یہی ہے۔ کہ کمال احتیاط تدبر اور تیقظ کے ساتھ زندگی کو گذارہ جائے۔ یک سرمو حدود شرع سے متجاوز نہ ہو۔ سراپا اطاعت ہونا فرمانی کا نام نہ

نہ ہو۔ بیدار اور ہوشیار رہو۔ غفلت و مدہوشی پاس نہ آئے۔ ہر دم شکر گذار رہے۔ ناشکری اور ناقدری کا شائبہ تک نہ ہو۔ حق کی بجا آوری میں کسی کی مدد رعایت نہ ہو۔ کسی کی لعنت و ملامت کی پرواہ نہ ہو۔ کسی کے جبر و تشدد کا خوف نہ ہو۔ غرض ہر معاملہ براہ راست خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ کے ساتھ ہو۔ اور ایسی طرح ہو۔ کہ وہ علام الغیوب آنکھوں کے سامنے ہے۔ حاضر و ناظر ہے۔ دانا و بینا ہے۔

فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ (اگر تو خدا کو نہیں دیکھتا۔ تو وہ تجھ کو دیکھ رہا ہے)

جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:۔

وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ط اور وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں کہیں بھی تم ہو۔

زندگی کے پورے لمحات اسی نظریئے کے ماتحت گذریں اور اسی تگ و دو اور کد و کاوش میں عمر عزیز تمام ہو جائے ارشاد ربانی ہے:۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ پس ڈرتے رہو تم اللہ سے بقدر مقدور

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اَمْرُهٗ حَلَالٌ وَّاضِحٌ

ہیں اور امور حرام بھی واضح ہیں۔ لیکن ان کے درمیان کچھ مشتبہ امور بھی ہیں (جن کی حلّت و حرمت یقینی طور پر متعیّن نہیں)۔ جن سے اکثر لوگ ناواقف ہیں۔ پس جو شخص ان مشتبہ امور میں بھی پرہیز اور احتیاط کرے۔ اس نے اپنے دین اور عزّت و آبرو کو محفوظ کر لیا۔ اور جو شخص ان مشتبہ امور میں مبتلا ہو گیا۔ وہ انجام کار حرام امور میں بھی مبتلا ہو گا۔ انسان کی مثال چرواہے جیسی ہے جس کی بکریاں چراگاہ کے گرد چرتی ہوں۔ پس ہر وقت یہ اندیشہ رہتا ہے۔ کہ کہیں دوسرے کے کھیت میں نہ چلی جائیں۔ اور ہر آن انکی حفاظت کرنی پڑتی ہے۔ خبردار رہو۔ ہر بادشاہ کے لئے کچھ چیزیں محفوظ ہوتی ہیں۔ جن میں دست درازی نہیں ہو سکتی۔ اور حق سبحانہٗ و تعالےٰ کی محفوظات وہ امور ہیں۔ جن کو اس نے مخلوق کے لئے حرام کیا ہے۔ خبردار رہو کہ جسم انسان میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے۔ جب وہ درست ہوتا ہے تو تمام جسم درست ہوتا ہے۔ اور جب وہ بگڑ جاتا ہے۔ تو تمام جسم بگڑ جاتا ہے۔ ہوشیار رہو۔ وہ انسان کا دل ہے انتہٰی از صحیحین (جس کی صلاحیّت پر انسان کی صلاحیت موقوف ہے۔ اور جس کے

بگاڑ سے انسانیت کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ اور یہی قلب صنوبری تقوےٰ و پرہیزگاری کا مسکن و ماوےٰ ہے۔

اَلتَّقْوٰى هٰهُنَا (تقوٰی و پرہیزگاری کی جڑھ اسی جگہ ہے)

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب حرام سے بچنے کی خاطر بہت سی حلال چیزوں کو انسان چھوڑ دیتا ہے۔ تب اصلی متقی اور پرہیزگار بنتا ہے (ترمذی)

پس اصل تقوٰی و پرہیزگاری یہی ہے۔ کہ انسان ہر اس چیز کو چھوڑ دے جس میں ذرا بھی شک و شبہ کی گنجائش ہو۔ تاکہ مشکوک میں مبتلا ہو کر یقینی محرمات کے قریب تر نہ ہو۔ اور یہی صحیح زندگی کا راز ہے۔ نہ شک میں پڑے اور نہ مشکوک کو اختیار کرے۔ ارشاد نبوی ہے۔

دَعْ مَا يَرِيبُكَ اِلٰى مَا لَا — اس کام کو چھوڑ جس میں شک ہو۔
يَرِيبُكَ (از ضد بروایت ترمذی و نسائی) — اور وہ کام اختیار کر جو بے شک و شبہ ہو

سب انسان خاک کے پتلے ہیں۔ اور ایک باوا کی اولاد ہیں۔ سب کی مساویہ حیثیت ہے۔ سب ایک ہی راہ سے آئے اور ایک ہی راہ جانا ہے۔ اور سب کے سب خدا کی مخلوق اور بندے ہیں۔ اگر بندوں میں کوئی شخص ممتاز ہو سکتا

ہے۔ تو صرف وہی جو بندگی میں ممتاز ہو۔ اور تقوے و پرہیزگاری سے آراستہ ہو۔ ارشاد ربانی ہے:۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ

اے آدمیو! ہم نے تم کو بنایا ایک مرد اور ایک عورت سے۔ اور رکھیں تمہاری ذاتیں اور قبیلے تاکہ آپس کی پہچان ہو۔ تحقیق عزت اللہ کے یہاں بڑی ہے اس کی جو زیادہ پرہیزگار ہو۔

پس جو شخص عزت و آبرو کا خواہشمند ہو۔ اس کو چاہیئے کہ تقوے و پرہیزگاری کی زندگی اختیار کرے۔ تاکہ ساری دشواریاں دور ہوں۔ اور راستہ بالکل صاف ہو جائے۔ اور رزق کے دروازے ہر طرف سے کشادہ ہو جائیں۔ جیسا کہ وعدہ خداوندی ہے

وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَّهُ مَخْرَجًا وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ

اور جو کوئی ڈرتا ہے اللہ سے وہ کر دے اس کی خلاصی اور روزی دے اس کو جہاں سے۔ اسکو خیال بھی نہ ہو

"غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات" { ان غیر مسلموں کے ساتھ جو آمادہ جنگ و پیکار

نہ ہوں۔ اور مصالحانہ رویہ رکھتے ہوں۔ تعلقات کاروباری اور معاملاتِ دنیوی قائم کرنا جائز ہیں۔ اور ظاہری معاملات ہیں انکی کسی نوع کی حق تلفی نہ ہوگی۔ بلکہ انسانیت کے پورے حقوق ادا کئے جائیں گے۔ اور وہ ہر نوع کے ظلم و تعدی جبر و تشدد سے محفوظ ہونگے۔ بلکہ ہر قسم کی مراعات اور رواداری اور حسن سلوک کے روادار ہوں گے۔ تاکہ وہ بھی اسلامی تعلیمات کے اثرات سے مستفیض ہوں۔ اور رفتہ رفتہ اسلام کی خوبیاں ان کے دلوں میں گھر کریں۔ ارشادِ ربانی ہے

لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ	اللہ تم کو منع نہیں کرتا۔ ان لوگوں
الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِى	سے جو نہیں لڑتے تم سے دین کے
الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ	بارہ میں اور نکالا نہیں تم کو تمہارے
دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَ	گھروں سے کہ ان سے بھلائی کرو اور
تُقْسِطُوْا اِلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ	انصاف کا معاملہ کرو۔ بیشک
يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ	اللہ پسند کرتا ہے انصاف کرنیوالوں کو

چنانچہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم غیر مسلموں کے ساتھ معاملات رکھتے تھے۔ ان سے قرض لیتے تھے۔ اور ان سے ہر نوع کی خبر گیری اور احوال پرسی فرماتے تھے۔ ایک بار

ایک یہودی کی عیادت کیلئے تشریف لے گئے اور ان پر آخری وقت میں اسلام پیش کیا۔ اور وہ مسلمان ہو گیا۔ پھر انتقال کیا حضور انور نے خوش ہو کر فرمایا۔

الحمد للہ الذی — خدا کا شکر و ستائش کہ اس نے

اعتق بی نسمۃ من النار — میری سعی سے ایک روح کو آگ سے آزاد

(بستان فقیہ ابی اللیث) — کیا۔

اسی طرح اپنے ماموں حارثہ کو جو کافر تھے اور مکہ مکرمہ میں مقیم تھے۔ ہدیہ ارسال فرمایا۔

غیر مسلم جب آمادۂ جنگ و جدال نہ ہوں اور اسلام اور مسلمانوں کی تخریب کے درپے نہ ہوں۔ تو پھر انکے ساتھ مصالحانہ رویّہ اختیار کرنا اور رواداری کا برتاؤ کرنا عین ایمان ہے،

ع "رواداری بشرطِ استواری عین ایمان ہے"

ایسے غیر مسلموں کا مال و جان، عزت و آبرو بالکل محفوظ ہے۔ اور ظاہری معاملات میں ان کے ساتھ پورا عدل و انصاف ہو گا۔ ذرا حق تلفی نہ ہو گی۔ ارشاد نبوی ہے:۔

الا من ظلم معاھداً — خبردار جو شخص معاہد کافر پر ظلم کریگا۔

او انتقصہ و کلفہ فوق — یا اسکو نقصان پہنچائیگا۔ یا طاقت

طاقته واخذ منه شيئاً بغير طيب نفس منه فانا حجيجه يوم القيمة
(كنز الاعمال)

سے زائد اس سے مشقت لے گا۔ یا اسکی بلا رضامندی کوئی شے اس سے لے گا۔ میں خود قیامت کے روز اس کافر کی وکالت کرونگا۔

دوسری روائت میں ہے:-

وانی حرمت علیکم اموال المعاهدین بغیر حقها من ظلم معاهدا مقر ابن منه مودیا بالجزیة کنت خصمته یوم القیمة
(کنز الاعمال)

اور میں نے تم پر کفار معاہدین کے اموال کو ناحق لینا حرام کردیا۔ جو اس معاہد پر ظلم کرے جو اپنے عہد کا پابند ہو۔ جزیہ ادا کرتا ہو تو میں اس کافر کا روز قیامت وکیل اور جانب دار ہوں گا۔

روزِ قیامت چونکہ کافر اپنے مقدمہ کی پیروی سے عاجز ہوگا اور عذاب جہنم میں گرفتار ہوگا۔ اس لئے حق وانصاف کے پیشِ نظر خود سردارِ دوجہاں آقائے نامدار صلے اللہ علیہ وسلم بنفسِ نفیس اس کے مقدمہ کی پیروی فرماوینگے۔ اور مجرم کو خاطر خواہ سزا دلوائیں گے۔ اس لئے کہ اس کا یہ فعل اسلامی تعلیم کے خلاف تھا اور مسلمانوں کے لئے بدنما داغ۔ البتہ قلبی تعلق

کسی غیر مسلم کے ساتھ قائم نہ ہونا چاہیئے۔ ایک دل میں اللہ اور رسول کی محبّت اور کفر و شرک کا تعلّق یکجا جمع نہیں ہوگا۔ جو دل خدا کی معرفت سے معمور ہو گا۔ وہ کفر و شرک کی ظلمات کو کیسے برداشت کر سکتا ہے۔ اور نہ ہی ایسی طرح کا کوئی برتاؤ گوارا ہو سکتا ہے جس سے کفر و شرک کی برتری ظاہر ہوتی ہو۔ کہ یہ اسلام کی توہین اور کھلی مداہنت ہے۔ جو مسلمان کو کفر و شرک کی ہر حد پر پہنچا دیتی ہے۔ اور نامعلوم طور پر رُوح اسلامی کو اس سے سلب کر دیتی ہے۔ پھر برائے نام مسلمان رہجاتا ہے۔ دنیا میں ذلیل و خوار رہتا ہے۔ اور آخرت میں بھی رُو سیاہ ہوتا ہے۔

۶۔ "معاشرت کی درستگی" :۔ ۵

یاد داری کہ وقتِ زادنِ تو ... ہمہ خنداں بُدند تو گریاں
آنچناں زی کہ وقت مردنِ تو ... ہمہ گریاں بوند تو خنداں

انسان کو مدنی الطبع بنایا گیا ہے۔ بغیر باہمی تعلّقات کے کسی طرح اس کا گذارہ نہیں۔ اور نہ یہ ہر تعلّق سے بے نیاز ہو کر زندگی بسر کر سکتا ہے۔ یہ اپنی ضروریاتِ زندگی کو پورا کرنے میں

از سرتاپا دوسروں کا محتاج اور دست نگر ہے۔ اور ان سے میل جول پر مجبور ہے۔ پس اسکا طرزِ زندگی بُود و باش کا ڈھنگ رہائش کا طریق اس انداز کا ہونا ضروری ہے جو دوسروں کی کشش اور جذب کا موجب ہو۔ اور لوگ اس سے متنفر اور بیزار نہ ہوں اور پوری زندگی گراں بار اور وبال جان نہ بنے۔

معاشرت کی حسن و خوبی سے حقیقی لطف زندگی حاصل ہوتا ہے۔ اور یہی انسان کی شرافت اور کرامت کا معیار ہے۔ اسی لئے شریعت نے اسکے اصول اور ضوابط مقرر کر دیئے۔ تاکہ انسان افراط و تفریط میں مبتلا نہ ہو۔ اور بے راہ روی اختیار نہ کرے۔ خود بھی بآرام رہے اور دوسرے بھی اس کے وجود سے راحت محسوس کریں۔ زندگی گذارنے کا اصلی گُر یہ ہے:۔

تعاشروا کالاخوان — بھائیوں کی طرح میل جول رکھو۔ اور

وتعاملوا کالاجانب — غیروں کی طرح معاملہ کرو۔

یعنی میل جول میں ایسی یگانگت اور یک جہتی ہو۔ کہ گویا بھائی بھائی ہیں۔ اور معاملات میں اسقدر صفائی اور خوش معاملگی ہو کہ گویا اجنبی ہیں۔ اس لئے کہ معاملات کی خرابی دلوں میں فرق پیدا کرتی ہے۔ جس کا اثر ظاہری تعلقات پر پڑتا ہے اور ہر

کام میں خرابی آتی ہے۔ اگرکسی وجہ سے دِلوں میں بھی فرق ہو۔ اور طبیعت بیزار ہو۔ تب بھی ملاقات کا طور و طریق خوشگوار ہونا ضروری ہے۔ کسی کے ساتھ بُری طرح پیش آنا یہ انسان کی اپنی کمزوری ہے۔ اور اس کی شرافت پر بدنما دھبّہ ہے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں۔ ایک شخص نے بارگاہ نبوی میں حاضری کی اجازت طلب کی حضور اقدس نے حکم فرمایا آنے کی اجازت دیدو۔ بہت بُرا آدمی ہے۔ اور جب وہ شخص خدمت نبوی میں حاضر ہوگیا۔ تو اس کے ساتھ بہت اچھی طرح پیش آئے۔ حضرت عائشہ نے عرض کیا یارسول اللہ آپ نے اس کے متعلق جو کچھ فرمایا تھا۔ صحیح تھا۔ پھر بھی اس قدر لطف و مہربانی کے ساتھ بات کی حضور اقدس نے ارشاد فرمایا:۔

یا عائشۃ ان شرّ	اے عائشہ! شریر ترین شخص اللہ کے
الناس منزلۃ عند اللہ	نزدیک وہ ہے جس کو لوگ اس
من ترکہ او ودعہ الناس	کی سخت کلامی کی وجہ سے
اتقاء فحشہ (بخاری)	چھوڑ دیں ؛

اور یہ جب ہے کہ دُوسرے کی بُرائی اور بدی یقینی ہو اور نہ

حقیقت پر مبنی ہو محض بدگمانی اور خام خیالی نہ ہو۔ اس لئے کہ بدگمانی معاشرتی جرم ہے اور بڑا سخت گناہ ہے۔ ارشادِ ربانی ہے

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا	اے ایمان والو! بہت سے گمانوں
اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ	سے بچا کرو۔ کیونکہ بعضے گمان
اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا	گناہ ہوتے ہیں۔ اور سراغ مت لگایا
تَجَسَّسُوْا وَلَا یَغْتَبْ	کرو۔ اور غیبت بھی نہ کیا کرو کوئی
بَّعْضُكُمْ بَعْضًا اَیُحِبُّ	کسی کی۔ کیا تم میں سے کوئی اس
اَحَدُكُمْ اَنْ یَّاْكُلَ لَحْمَ	بات کو پسند کرتا ہے۔ کہ اپنے
اَخِیْهِ مَیْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ	مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے
وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ	اس کو تم ناگوار سمجھتے ہو۔ اور اللہ
التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ۔	سے ڈرتے رہو۔ بیشک اللہ بڑا
	توبہ قبول کرنیوالا مہربان ہے۔

بدگمانی اور بدگوئی اور پیٹھ پیچھے برائی بھی وہ امور ہیں۔ جو معاشرت کو گندہ کرتے ہیں۔ اور تعلقات کو خراب کرتے ہیں۔ ارشادِ نبوی ہے:۔

ایاکم والظن فان الظن	بچو تم بدگمانی سے۔ بدگمانی بڑی
اکذب الحدیث و لا	جھوٹی بات ہے۔ اور سراغ رسانی

تجسسوا ولا تحسسوا و لا تحاسدوا ولا تدابروا ولا تباغضوا وکونوا عباد اللہ اخوانا۔ (بخاری)

مت کرو اور عیب جوئی مت کرو۔ اور کینہ پروری مت کرو۔ اور بے تعلقی مت برتو۔ اور بغض مت رکھو اور اللہ کے بندے بھائی بھائی بن کر زندگی بسر کرو۔

دُوسری روائت میں ہے :۔

لا تباغضوا و لا تحاسدوا ولا تدابروا وکونوا عباد اللہ اخوانا و لا یحل لمسلم ان یھجر اخاہ فوق ثلاثۃ ایام (بخاری)

باہم بُغض مت رکھو اور حسد مت کرو اور بے تعلقی مت برتو۔ اور اللہ کے بندے بھائی بھائی بن کر۔ ہر مسلمان کے لئے یہ بات ہرگز حلال نہیں کہ اپنے مسلمان بھائی کو تین روز سے زیادہ چھوڑے رکھے

پس معلوم ہوا۔ کہ معاشرت کی درستی اور تعلقات کی خوشگواری کے لئے ضروری ہے۔ کہ انسان بدگمانی۔ بدگوئی۔ نکتہ چینی عیب جوئی۔ جاسوسی، کینہ پروری، بغض و عداوت، مقاطعہ جوئی وغیرہ قباحتوں سے پاک و صاف ہو۔ یہ اوصاف بھائی چارہ کے منافی ہیں۔ اور معاشرت کو خراب و خستہ کرتے ہیں

اور باہمی تعلقات کو بگاڑتے ہیں۔

اصلاحِ معاشرت کے چند اہم اجزا یہ ہیں:۔

(۱) "پاکیزگی اور صفائی": یہ بھی انسان کی شرافت وکرامت میں داخل ہے کہ ہر وقت پاک وصاف رہے۔ بدن سے بھی پاک وصاف ہو۔ لباس بھی پاکیزہ اور صاف ستھرا ہو۔ رہائش بھی نظیف ہو۔ میلے کچیلے غلیظ وگندہ انسان اور خراب وخستہ مکان سے ہر شخص متوحش ہوتا ہے۔ اور یہی پاکیزگی اور ستھرائی حق تعالےٰ کو محبوب ومرغوب ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:۔

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ	بیشک اللہ پسند کرتا ہے توبہ کرنیوالوں
وَیُحِبُّ الْمُتَطَہِّرِیْنَ ۔	کو اور پسند کرتا ہے پاکیزہ لوگوں کو۔

توبہ سے باطنی گندگیاں دھلتی ہیں پس حقتعالیٰ کو وہی شخص پسند ہے جس کا ظاہر وباطن صاف اور نظیف ہو۔ اسی لئے پاکیزگی اور نظافت کو ایمان اور اسلام کا جزو اہم قرار دیا گیا ہے ارشادِ نبوی ہے:۔

الطھور شطر الایمان	پاکیزگی نصف ایمان ہے
النظافۃ من الایمان	صفائی اور ستھرائی ایمان میں داخل ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:۔

ان الاسلام نظیف	اسلام سراسر پاکیزگی اور صفائی ہے
فتنظفوا فانہ لا ید خل	تم بھی صفائی اختیار کرو۔ اس لئے
الجنۃ الا النظیفُ	کہ جنّت میں وہی شخص جائیگا۔ جو نظیف
(رواہ مسند الاحادیث عن الخطیب)	اور پاک و صاف ہو گا۔

غرض حق سبحانہٗ وتعالیٰ مرکزِ جمال وکمال ہے۔ اور وہ انسان کی ہر ادا میں جمال وخوبصورتی کو پسند فرماتا ہے۔ اور اپنی عطا کی ہوئی نعمتوں کی آراستگی سے خوش ہوتا ہے۔

ان اللہ جمیل	بیشک اللہ رب العزت جمیل ہے
یحب الجمال ویحب اذا انعم	اور جمال کو پسند فرماتا ہے اور جب کسی
علےٰ عبدہٖ نعمۃ ان	اپنے بندے پر انعام فرماتا ہے۔ تو
یری اثرھا علیہ ویبغض	اس کا اثر اس کے ظاہر پر دیکھ کر
البؤس والتباؤس ولکن	خوش ہوتا ہے۔ اور خستہ حالی اور
الکبر ان تسفہ	بے حسی کو ناپسند فرماتا ہے۔ خوشحالی
الحق وتبغض	اور خوشنمائی کبر نہیں۔ کبر یہ ہے۔
الخلق	کہ حق کو چھوڑا جائے اور مخلوق کے
(رواہ عن معاذ عن یحیی مرسلاً)	ساتھ بُغض رکھا جائے۔

بارگاہِ نبوی میں ایک بار ایک صحابی حاضر ہوئے۔ نہایت

خستہ حال تھے۔ ظاہر صورت سے احتیاج عیاں تھی۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے انکی اعانت کا ارادہ فرمایا تو انھوں نے اپنی خوشحالی اور فارغ البالی کا حال بیان کیا۔ اس پر حضور اقدس نے حکم فرمایا:۔

فلیریٰ اثر نعمتہٖ علیک ؎ — اگر خدا نے انعام کیا ہے۔ تو اس کا اثر ظاہر پر نمایاں ہونا چاہیے۔

۲۔ "سادگی" } پاکیزگی اور صفائی اور ستھرائی اسی وقت زیب وزینت ہے جبکہ اس کے ساتھ سادگی کی پوری نمائش ہو۔ آرائش اور زیبائش میں حد سے تجاوز محمود نہیں مذموم ہے۔ اور کھلا اسراف و تبذیر ہے۔ جو ہر حیثیت سے قبیح اور ناپسندیدہ ہے۔ ارشاد ربانی ہے:۔

وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِیْرًا — (اور نہ فضول خرچی کرو تم بیجا فضول خرچی)

دوسری جگہ ارشاد ہے:۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ ط — بیشک اللہ تعالےٰ ناپسند رکھتا ہے اسراف کرنیوالوں کو۔

آرائش وزیبائش پر خرچ جو حدِّ اعتدال اور استطاعت سے باہر ہو انتہائی نادانی اور بیوقوفی ہے۔ جو انسان کو ہمیشہ معاشی

مشکلات اور پریشانیوں میں مبتلا رکھتی ہے پس عقل و دانش کی بات یہ ہے۔ کہ ہر چیز میں کفایت شعاری اور سادگی کے ساتھ صفائی اور پاکیزگی ہو۔ اور پورا حسن و جمال ہو۔ تاکہ نگاہوں کو بھی زیب دے اور دل و دماغ ... پراگندہ اور پریشان نہ ہوں۔ اور معاش پر اس کا کوئی بوجھ اور اثر نہ پڑے۔ اور بلا کسی قسم کی فضول خرچی کے جسقدر خوشنمائی اور صفائی اور خوبصورتی رکھ سکتا ہو۔ اس میں دریغ نہ کرے۔ کہ یہی مطلوب و مرغوب ہے۔

۳۔ "تواضع وانکساری" { تکبر اور بڑائی شیوہ شیطانی ہے ایمانی خصلت اور اصلی شرافت

و کرامت یہ ہے۔ کہ ہر شخص کے ساتھ عجز و انکساری اور شفقت و مہربانی کے ساتھ پیش آئے اور اپنے کو کسی سے بالاتر نہ سمجھے۔ اس لیے کہ بڑائی ہے خو خدا کی بارگاہ میں باعظمت ہو۔ اور وہاں کی عظمت کی نشانی یہی ہے۔ کہ یہاں منکسر المزاج از رہ خود متواضع ہو۔ چنانچہ سید الانبیاء والمرسلین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو حکم ہے:۔

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ	اور جھکا اپنے بازو کو ان مومنوں کے لئے
لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ	جو تیرا اتباع کرتے ہیں،

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ مجھے خدا تعالےٰ نے بذریعہ وحی مطلع کیا ہے۔ کہ تواضع اختیار کرو۔ حتےٰ کہ کوئی کسی پر نہ فخر کرے اور نہ کسی قسم کی زیادتی کرے (مسلم)

تواضع سے سربلندی اور سرفرازی حاصل ہوتی ہے اور منکسر المزاج شخص کو حق تعالیٰ ایک وقعت و عظمت اور شان و شوکت مرحمت فرماتے ہیں۔ ارشادِ نبوی ہے۔

ما تواضع احد للّٰہ	جو شخص بھی اللہ تعالےٰ کیلئے تواضع
الا رفعہ اللہ	اختیار کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو
(رواہ مسلم)	سربلند کرتے ہیں ؛

چنانچہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا ہے " کہ جب تم میری امت کے متواضع لوگوں سے ملا کرو۔ تو ان کے ساتھ تواضع سے پیش آیا کرو۔ اور جب متکبرین سے ملا کرو۔ تو نخوت و رعونت کے ساتھ ملا کرو۔ تاکہ ان کی ذلت و رسوائی ہو (نزھ)

حضرت ابن المبارکؒ فرماتے ہیں " کہ تواضع کی اصل یہ ہے۔ کہ جو شخص اپنے سے دنیاوی اعتبار سے کم درجہ اور حیثیت کا ہو۔ اس کے ساتھ فروتنی اور عاجزی کے ساتھ

پیش آئے۔ تاکہ وہ سمجھے کہ تجھے اس پہ کوئی فوقیت نہیں اور جو شخص اپنے سے بڑے درجہ کا ہے۔ اس کے ساتھ بڑائی سے پیش آئے۔ تاکہ وہ سمجھ لے کہ اس کی تیرے دل میں کوئی وقعت نہیں (نزھۃ)

غرض ہر باحیثیت انسان کی شرافت و کرامت کا معیار یہ ہے کہ وہ اپنے سے کم مرتبہ لوگوں کے ساتھ نرمی اور شفقت اور لطف سے پیش آئے۔ اور انکی مدارات و مراعات کرے

تواضع ز گردن فرازاں نکوست
گدا گر تواضع کند خوئے اوست

۴۔ بردباری اور نرم خوئی } بردبار شخص اور نرم خو انسان ہر دلعزیز رہتا ہے۔ اور ہر شخص کے دل میں اس کی عزت و وقعت ہوتی ہے۔ اور بڑے سے بڑا دشمن اسکی بردباری و نرمی کی وجہ سے نادم و شرمسار ہو جاتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کو ایک شخص نے گالی دی جب گالی دے چکا۔ تو آپ نے غلام سے فرمایا اس کی کوئی حاجت ہو تو پوری کرو۔ اس شخص نے شرم کی وجہ سے گردن جھکالی (نزھۃ)

اسی طرح ایک شخص نے حضرت علی بن حسین رض کو گالیاں دیں۔ نوکر اس کی طرف لپکے۔ آپ نے انکو منع فرمایا۔ اور اس شخص کو بلا کر فرمایا۔ ہماری بہت سی خرابیاں تجھ سے پوشیدہ ہیں۔ اگر تیری کوئی ضرورت ہو تو ہم اس کو پورا کر دیں۔ وہ شخص بہت شرمندہ ہوا۔ پھر آپ نے اس کو اپنی چادر اور ایک ہزار درہم مرحمت فرمائے۔ اور وہ ہمیشہ ثنا خواں رہا۔ غرض حلم و بردباری ایک اعلیٰ درجہ ہے۔ اور شرافت کا اصلی معیار ہے ارشادِ نبوی ہے:۔

ان الرجل المسلم	مسلمان حلم کی بدولت اس شخص کا
لیدرک بالحلم درجۃ	درجہ پالیتا ہے جو ہمیشہ نماز پڑھتا ہو
القائم الصائم (ترمذی)	اور روزے رکھتا ہو۔

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ نرمی جس شے میں بھی ہو گی۔ اس کو خوشنما بنائے گی۔ اور درشتی جس شے میں ہو گی۔ اس کو بدنما بنائے گی۔ (ترمذی عن مسلم)

چنانچہ نرمی ہر خیر کی جڑ اور بنیاد ہے جب انسان نرمی سے خالی ہو جاتا ہے۔ تو ہر خیر سے محروم ہو جاتا ہے۔ ارشاد نبوی ہے:۔

من یحرم الرفق — جو شخص نرم خوئی سے محروم ہوتا ہے
یحرم الخیر کلہ (ترجمہ مسلم) — وہ ہر خیر سے محروم رہتا ہے۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ "کہ حقتعالٰی خود بھی نرمی کا برتاؤ کرتے ہیں اور ہر کام میں نرمی کرنے کو پسند فرماتے ہیں"۔

۵۔ "بے تکلفی اور خوش طبعی" } انسان کو اپنے ہمراہیوں اور ہمنشینوں کے ساتھ ہنس مکھ اور خندہ پیشانی کے ساتھ رہنا ضروری ہے۔ تاکہ قدرے بے تکلفی بڑھے۔ اور انبساط قائم رہے۔ ورنہ ہر وقت مجلس مکدّر اور منغض رہیگی۔ اور طبائع میں نشاط و سرور پیدا نہ ہوگا۔ اس لئے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کے ساتھ خوش طبعی اور بے تکلفی کا معاملہ رکھتے تھے۔ البتہ یہ ضرور ہے۔ کہ خوش طبعی صرف انہیں لوگوں کے ساتھ ہو جو اس کے ہر وقت کے رفیق ہوں۔ اور کبھی کبھی ہو۔ ہر وقت کا مشغلہ نہ ہو۔ اور مزاح میں بھی کوئی بات خلاف واقعہ سرزد نہ ہو۔ جیسا کہ ارشاد نبوی ہے۔

لا امزح ولا اقول — میں مذاق کرتا ہوں۔ مگر حق بات

الاحقر (بستان الفقیہ ابو اللیث) کہتا ہوں ۔

۶۔ "ضیافت و مہمانداری":- معاشرت کی درستی اور تعلقات کی خوشگواری کے لئے ضیافت اور مہمانداری کو اہمیّت اور فوقیّت دی گئی اور اسکی حیثیّت کو نمایاں کر کے عبادت کا درجہ دیا گیا۔ اور اجر و ثواب اور تقرب خداوندی کا عمدہ ذریعہ قرار دیا۔

دوستوں اور عزیزوں کی دعوت کرنا اور ان کی دعوت میں شرکت کرنا سنت نبوی ہے۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کی دعوت فرماتے تھے۔ اور خود بھی دوسروں کی دعوت کو قبول فرماتے تھے۔ ارشاد نبوی ہے:-

لو دعیت الی کراع لاجبت

اگر مجھ کو دور سگہ بھی دعوت میں بلایا جائے تو میں قبول کروں۔

اور جو کھانا کہ دوستوں کے لئے پکایا جائے اگر اس سے مقصود سنّت نبوی کی پیروی اور اللہ اور رسول کی خوشنودی ہو تو اس پر کوئی حساب اور بازپرس نہیں جب ایک کام عبادت ہے۔ تو اسپر پرسش کیسے ہو سکتی ہے؟ البتہ اس کیلئے ضروری ہے۔ کہ کھانے والے دیندار متقی اور پرہیزگار ہوں محض

امرا نہ ہوں بلکہ غربا بھی شریک طعام ہوں۔ ارشاد نبوی ہے۔

لا تأکل الا طعام تقی — مت کھانا کھا۔ مگر پرہیزگار شخص
ولا یاکل طعامک الا — کا اور مت کھلا کھلا مگر پرہیزگار
تقی (ترجمہ) — شخص کو۔

دوسری روائت میں ہے:۔

شر الطعام طعام — بدترین کھانا وہ ولیمہ کی دعوت
الولیمۃ یدعی الیہا الاغنیاء — ہے جس میں صرف امرا کو بلایا جائے
دون الفقراء (ترجمہ) — اور غربا کو چھوڑ دیا جائے۔

اسی طرح مسلمان بھائی کی ملاقات کے لئے جانا اور اس کا مہمان بننا عین عبادت وطاعت ہے۔ اور موجب اجر و ثواب ہے۔ اس مہمان کا اعزاز و اکرام اور مہمانداری ضروری ہے۔ ارشادِ نبوی ہے:۔

من کان یومن باللہ — جو شخص اللہ پر اور آخرت پر ایمان
والیوم الاخر فلیکرم ضیفہ — رکھتا ہے اس کو چاہیئے۔ کہ اپنے
جائزتہ یوم ولیلۃ و — مہمان کا اعزاز و اکرام کرے ایک
الضیافۃ ثلاثۃ ایام فما — شب و روز مہمان کی خاطر داری ہے
بعد ذلک فھو صدقۃ — پھر تین روز تک محض ضیافت ہے

ولا یحل ان یثوی عندہ حتّٰی یحرجہٗ (ترمذی)	اور اس کے بعد خیرات کا ثواب ہے۔ اور مہمان کیلئے یہ حلال نہیں۔ کہ اس قدر قیام کرے۔ کہ میزبان اکتا اور گھبرا جائے ۔

ایک صحابی نے بارگاہِ نبوی میں عرض کیا۔ "یا رسول اللہ اگر میں کسی کے یہاں جاؤں۔ اور وہ میری میزبانی نہ کرے اور نہ مہمانداری کرے پھر اگر وہ شخص میرے پاس آئے تو اس سے بدلہ لوں یا مہمانداری کا حق ادا کروں۔ حضور اقدس نے ارشاد فرمایا۔ مہمانداری کا حق ادا کرو (ترمذی)

پس میزبانی خود ایک فریضہ ہے جس میں کوتاہی روا نہیں ارشادِ نبوی ہے:۔

لَاخَیْرَ فِیْ مَنْ لَا یَضِیْفُ (ترمذی)	اس شخص میں کوئی خوبی نہیں۔ جو مہمانداری کا حق ادا نہ کرے۔

خانگی زندگی کی درستی" } تمام عیش و آرام کا انحصار اور طمانیت اور سکون کا دارومدار گھریلو زندگی پر ہے۔ اگر یہ ٹھیک ہے۔ تو ہر سکھ موجود ہے اور اگر اس میں بگاڑ اور خرابی ہے۔ تو زندگی سوہانِ روح ہے

اور گھر و باہر و بال جان ہے۔ اس لئے معاشرت کا اہم ترین پہلو گھر کی اصلاح اور خانہ داری کی پوری صلاحیت ہے۔ انسان کا عزّ و وقار اس کی گھریلو زندگی سے قائم ہوتا ہے۔ اور وہ شخص انسان ہی نہیں جو اہل و عیال کی نعمت سے محروم ہو۔ چنانچہ حکم ربانی ہے :-

فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَاءِ مَثْنَىٰ وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَلَّا تَعُولُوا

پس نکاح کرو تم ان عورتوں سے جو حلال ہیں تمہارے لئے دو اور تین اور چار اور اگر اندیشہ کرو تم اس کا کہ اس میں انصاف نہ قائم رکھ سکو گے تو پھر صرف ایک نکاح کرو۔ یا باندی کو رکھو۔ یہ قریب تر ہے۔ اس سے کہ کجروی نہ اختیار کرو۔

دوسری جگہ ارشاد ہے :-

وَأَنْكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنْكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ إِنْ يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ

اور نکاح کرو تم اپنے میں سے ان سے جن کے خاوند یا بیوی نہیں ہے۔ اور اپنے نیک غلاموں اور باندیوں کا اگر ہونگے وہ محتاج تو

اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ — غنی بنا دیگا انکو اللہ اپنے فضل سے

آیاتِ کریمہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ نکاح سے انسان کی بے راہ روی اور کجروی ختم ہوتی ہے۔ استغنا پیدا ہوتا ہے۔ اور فقر و تنگی دور ہوتی ہے خوشحالی اور کشادگی حاصل ہوتی ہے۔

امیر المومنین حضرت عمر بن الخطاب فرماتے ہیں " مجھے لوگوں پر حسرت ہے کہ نکاح کے علاوہ دوسرے ذرائع سے فارغ البالی اور فراخی کو تلاش کرتے ہیں۔ حالانکہ کھلا فرمان خداوندی ہے:۔

اِنْ یَّکُوْنُوْا فُقَرَآءَ — اگر وہ محتاج ہونگے تو اللہ تعالے
یُغْنِہِمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ — انہیں غنی کر دیگا اپنے فضل سے

جس سے صاف طور پر عیاں ہوتا ہے۔ کہ غنا اور فراخی کا اصل دروازہ نکاح کرنا ہے جس سے رزق میں زیادتی اور خیر و برکت ہوتی ہے۔ اور انسان کو خوشحالی اور فارغ البالی نصیب ہوتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا " محتاج ہے پورا محتاج وہ مرد جس کے بیوی نہ ہو۔ صحابہ نے عرض کیا۔

اگرچہ وہ بہت مالدار ہو" حضور اقدس نے ارشاد فرمایا۔ "ہاں اگرچہ وہ بہت مالدار ہو۔ پھر ارشاد فرمایا۔ محتاج ہے پوری محتاج وہ عورت جس کے خاوند نہ ہو۔ صحابہؓ نے عرض کیا۔ "اگرچہ وہ بہت مالدار ہو"؟

حضور اقدس نے ارشاد فرمایا۔ "ہاں اگرچہ وہ بہت مالدار ہو"۔ (حیٰوۃ از رزین)

ف۔ بیاہا مرد اور عورت ہر حالت میں محتاج اور دوسروں کا دستِ نگر ہے۔ اس لئے کہ اس کا کوئی شریکِ زندگی نہیں جو دکھ درد کا ساتھی ہو خوشی میں ہمنوا ہو جس کی وجہ سے بیفکری اور اطمینان و سکون نصیب ہو۔

"نکاح کے فوائد" } امام غزالی نے نکاح کے پانچ فائدے بیان کئے ہیں :-

(۱) اولاد کا ہونا جو گھر کی رونق ہے اور آنکھوں کی ٹھنڈک دل کا سرور ہے اور بڑھاپے کا سہارا ہے۔ کہ احتیاج کے وقت کام آوے اور خدمتگذاری کرے۔

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ "کہ تم نکاح کر کے اولاد پیدا کرو۔ اس لئے کہ تمہاری زیادتی اور کثرت

کی وجہ سے میں قیامت میں دوسروں پر فخر کرونگا"۔ پس کثرت اولاد سے یہاں جمعیت اور قوت حاصل ہوتی ہے۔ اور وہاں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو فخر و مباہات کا موقعہ ملتا ہے۔

(۲) نفس و شیطان کے مکر و فریب سے محفوظ رہتا ہے۔ نیک نفس اور پاکدامن رہتا ہے۔ شیطان دو راستوں سے انسان کو گمراہ کرتا ہے۔ ایک شرمگاہ اور دوسرے پیٹ نکاح کی وجہ سے ایک رستہ مسدود ہو جاتا ہے۔ اور شرمگاہ کیطرف سے انسان مطمئن اور بے فکر ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ارشاد نبوی ہے

من نکح فقد حصن	جس شخص نے نکاح کر لیا اس نے
شطر دینہ فلیتق اللہ	اپنا آدھا دین محفوظ کر لیا۔ دوسرے
فی شطر الاخر	آدھے کے بارے میں خدا سے
(نزھہ)	ڈرتا رہے ؞

رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جس شخص کی یہ آرزو ہو۔ کہ خدا کی بارگاہ میں پاک و صاف حاضر ہو۔ اس کو چاہیئے کہ نکاح کرے (نزھہ) اس لئے کہ باطن کی صفائی اور طبیعت کی یکسوئی اور راحت قلبی بغیر نکاح کے نصیب نہیں ہو سکتی

(۳) نفس کے لئے نشاط و سرور و انبساط کا سامان ہے۔

اور رُوح کے لئے تقویّت اور فرحت کا سبب ہے جس کے بغیر انسان کی زندگی ناکارہ ہو جاتی ہے۔ اور نفس ہر وقت کبیدہ اور رُوح پراگندہ رہتی ہے۔ چنانچہ امیر المومنین حضرت علی رضی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں :۔

روحوا القلوب فانها اذا اکرهت عمیت (ترجمہ) دلوں کو راحت بھی دیا کرو۔ اگر ہر وقت انکو مجبور کرو گے۔ تو پاگل ہو جائینگے

عاقل وہ ہے جس کے اوقات کی تین طرح تقسیم ہو۔ کچھ وقت اللہ کی یاد کے لئے ہو۔ اور کچھ وقت اپنے سے محاسبہ اور مطالبہ کیلئے۔ اور کچھ وقت فرحت و نشاط کیلئے ہو۔ جیساکہ ارشادِ ربّانی ہے

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ بیویاں تمہارے لئے زینت ہیں اور تم انکے لئے زینت ہو

(۲) امُور خانہ داری اور گھر کی صفائی اور ستھرائی اور لباس و طعام کی تیاری سے بےفکری ہوتی ہے۔ اگر کسی انسان پر بیک وقت گھر اور باہر کے دونوں بوجھ پڑ جائیں۔ تو زندگی وبالِ جان ہو جائے۔ اور جو راحت و بےفکری ایک بیوی سے نصیب ہوتی ہے۔ ہزاروں نوکروں سے بھی میسر نہیں آسکتی۔

۵۔ بیوی بچوں کو پالنا۔ ان کے لئے معاش کا پیدا کرنا۔ انکی ضروریات کو پورا کرنا اور ان کے حقوق کو پورا کرنا یہ سب امور عظیم الشان طاعت و عبادت ہیں۔ اور موجب اجر و ثواب ہیں ارشاد نبوی ہے:۔

ما انفق الرجل علے اهله فهو صدقةٌ	جو کچھ انسان اپنے اہل و عیال پر خرچ کرتا ہے صدقہ کے برابر اسکا اجر و ثواب ہے۔

(انتہیٰ)

حضرت ابن مبارک اپنے رفقاء کے ساتھ ایک جہاد میں شریک تھے۔ آپ نے فرمایا تم وہ عمل جانتے ہو۔ جو جہاد سے بھی افضل و اعلےٰ ہے؟ رفقاء نے عرض کیا "نہیں" فرمایا وہ پاکدامن انسان جو عیالدار ہے۔ رات کو بار بار اٹھتا ہے اور اپنے بچوں کو دیکھتا ہے۔ اور ان پر کپڑا ڈھکتا ہے۔ سردی سے بچاتا ہے۔ اس کا یہ عمل ہمارے اس جہاد سے افضل ہے۔ (نزہہ)

رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ جو شخص نماز کا پابند ہو کر کثیر العیال اور تنگدست ہو۔ اور مسلمانوں کی غیبت نہ کرتا ہو وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا (نزہہ)

اور یہ حضور کی معیت اس لئے ہوگی۔ کہ وہ شخص اللہ تعالیٰ نے کو مرغوب اور محبوب ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے:۔

ان اللہ یحب الفقیر	بیشک اللہ اس مسکین کو پسند فرماتا ہے
المتعفف بالعیال (ترغیب)	جو پاکدامن ہو۔ اور عیالدار ہو۔

بعض بزرگوں نے لکھا ہے۔ کہ بہت سے گناہ ایسے ہیں جن کا کفارہ اور چھٹکارا صرف فکرِ معاش ہے۔ اور ارشاد نبوی ہے:۔

ان فی الجنۃ درجۃ	جنت میں ایک مخصوص درجہ ہے
لا ینالھا الا ارباب الھموم	جو ان لوگوں کو نصیب ہوتا ہے جو
فی طلب المعیشۃ	یہاں فکرِ معاش میں سرگردان اور
(رواہ عن الدیلمی)	حیران پھرتے ہیں

اہل و عیال کی خبر گیری میں کوتاہی کرنا بدترین جرم ہے۔ ایک روایت میں ہے۔ بیوی بچوں کو چھوڑ کر بھاگنے والے شخص کا نماز روزہ قبول نہیں۔ تاکہ وہ واپس آ کر انکی خبر گیری نہ کرے اور جو شخص گھر پر رہتے ہوئے بھی بیوی بچوں کی خبر گیری نہ کرے۔ وہ بھی بھاگنے کے حکم میں ہے۔ اور اس کا نماز روزہ ہرگز بارہ یاب نہیں ہوتا (ترغیب)

یہ سب کچھ راحت و آرام اور سارے منافع اور فوائد اسی وقت
ہیں جبکہ میاں بیوی کے باہمی تعلقات خوشگوار ہوں۔ اور طرزِ
معاشرت درست ہو۔ اسی لئے معاشرت کی درستی اور تعلقات
کی خوشگواری کا حکم دیا گیا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے۔

وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ	اور رہو تم بیویوں کے ساتھ اچھائی
فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰ	اور نیکی کے ساتھ۔ پس اگر ناپسند
أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ	کرتے ہو تم۔ تو ہو سکتا ہے۔ کہ تم
اللّٰهُ فِيهِ خَيْرًا	ایک بات ناپسند کرو۔ اور کرے
كَثِيرًا	اللہ اس میں بڑی خیر و خوبی ؞

حق سبحانہ و تعالیٰ نے انسان کی ضرورت اور حاجت کی
وجہ سے اس کو چار بیویاں تک رکھنے کی اجازت مرحمت فرمائی
لیکن یہ اجازت بھی اسی وقت ہے جبکہ انکے تعلقات کو
خوشگواری کے ساتھ مساویانہ حیثیت سے نباہ سکے۔ اور ان
میں پورا پورا عدل و انصاف قائم رکھ سکے۔ چنانچہ حکم ربانی ہے

وَلَنْ تَسْتَطِيعُوا أَنْ	اور ہر گز نہ کر سکو گے تم یہ کہ عدل
تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ	کرو۔ درمیان عورتوں کے اور اگرچہ
حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيلُوا كُلَّ	حرص کرو تم پس مت جھک جاؤ تم

الْمَیْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ	جھک جانا۔ پس چھوڑ دو ان کو جیسے
وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ	لٹکے ہوئے۔ اور اگر صلح کرلو۔ اور ڈرو
اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝	پس اللہ ہے بخشنے والا مہربان ۔

قلبی تعلق غیر اختیاری امر ہے۔ اس لئے اس میں انسان معذور اور مجبور ہے لیکن اس کا اثر ظاہری تعلق پر نہ پڑنا چاہیئے کہ ایک بیوی کی محبت میں دوسری سے بے پروائی اور بے رخی برتنے۔ ظاہری معاملات میں پورا پورا عدل و انصاف ہوگا اور ہر بیوی کی مساویانہ حیثیت ہوگی۔ چنانچہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم باوجود حضرت عائشہ سے محبت ہونیکے اپنے اوقات خواب کو تمام ازواج مطہرات پر تقسیم فرماتے تھے۔ اور سب کے ساتھ مساویانہ معاملہ فرماتے تھے اور ارشاد فرماتے۔

اللّٰهم هذا قسمتی	الٰہی یہ میری تقسیم ہے۔ اسمیں جب
فیما املک فلا	پر میں قادر ہوں اب مجھ کو ماخوذ نہ
تلمنی بما تملک	کیجیو اس محبت کے بارے میں جس پر تو
ولا املک	قادر ہے اور میں قادر نہیں۔ بلکہ
(ترمذی)	معذور ہوں ۔

نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس شخص

کے دو بیویاں ہوں اور وہ ایک کی جانب مائل ہے تو قیامت کے روز ایسے حال میں اٹھے گا۔ کہ اس کی ایک جانب مائل اور جھکی ہوئی ہوگی (ترجمہ) تاکہ اس کا یہ عیب اور ناانصافی منظر عام پر آجائے۔ اور تمام مخلوق کے روبرو ذلیل وخوار اور شرمسار ہو۔

غرض خانگی تعلقات کی استواری اور گھریلو معاشرت کی درستی پر ہر خیر وخوبی اور راحت وشادمانی موقوف ہے۔ اور یہی ایمان واسلام کا تقاضا ہے۔ ارشادِ نبوی ہے۔

اکمل المومنین ایمانا	مومنوں میں کامل تر ایمان انکا ہے۔
احسنہم خلقا وخیارکم	جنکے اخلاق زیادہ اچھے ہیں۔ اور بہترین
خیارکم لنسائہم	مردم وہ ہیں۔ جو اپنی بیویوں کے
(ترجمہ عن الترمذی)	لئے بہتر ہوں ؛

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اپنی عورتوں کو نصیحت کرتے رہا کرو عورت پسلی سے پیدا کی گئی۔ اور سب سے ٹیڑھی اوپر والی پسلی ہے۔ اگر تو اس کو سیدھا کرنا چاہے۔ تو توڑ دیگا۔ اور اگر ویسے ہی چھوڑے رکھے تو ہمیشہ ٹیڑھی رہیگی پس بہتر یہی ہے کہ ہمیشہ عورتوں کو نصیحت کرتے رہو۔ (ترجمہ)

نیز ارشاد فرمایا۔ عورتوں کو خیرخواہانہ نصیحت کرتے رہا کرو۔

وہ تمہارے ہاتھوں میں مثل قیدی کے پابند ہیں تمہیں ان پر سختی کا کوئی حق نہیں۔ البتہ اگر وہ کھلی خیانت کریں۔ اور فحش کام میں مبتلا ہوں۔ تو ان سے ظاہری تعلق منقطع کر لو۔ اور معمولی طور پر ان کو مارو۔ اگر وہ تمہاری فرمانبردار بن جائیں تو پھر کسی قسم کی زیادتی مت کرو۔ بیشک تمہارے عورتوں پر حق ہیں۔ اور عورتوں کے تم پر حق ہیں۔ تمہارا ان پر حق یہ ہے کہ وہ تمہارے بستر پر غیر مرد کو نہ آنے دیں۔ اور تمہارے گھر میں جس کو تم ناپسند رکھتے ہو۔ داخل نہ کریں۔ اور ان کا حق تم پر یہ ہے۔ کہ تم ان پر تا مقدور احسان کرو۔ اور ان کو اچھا کھانا کھلاؤ۔ اور اچھا کپڑا پہناؤ (ذوفہ عن الترمذی)

نیز ارشاد فرمایا۔ جو مرد بیوی کی بد خلقی پر صبر و تحمل سے کام لے۔ حق تعالےٰ اس کو اسقدر اجر و ثواب عطا فرماتے ہیں جو حضرت ایوب علیہ السلام کو عطا ہوا۔ اور جو عورت خاوند کی بد خلقی پر صبر و تحمل سے کام لے۔ اسکو اس قدر اجر و ثواب عطا فرماتے ہیں۔ جو حضرت آسیہ فرعون کی بیوی کو عطا ہوا (رزین)

البتہ مرد کے لئیے یہ نہائت ضروری ہے۔ کہ وہ غیور اور خود دار ہو۔ اور اپنی بیوی کی خود بھی حفاظت اور نگرانی کرے۔

اور اسے بےحیائی اور بددیانتی کا موقعہ نہ دے۔ اگر کسی نے بے غیرتی برتی اور عورت کو ہر طرح آزاد رکھا۔ تو پھر اس کے کرتوتوں کا یہ خود ذمہ وار ہے۔ اور پورا مجرم و خطا کار ہے۔

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

ثلاثۃ لایدخلون	تین شخص جنت میں داخل نہ ہونگے
الجنۃ العاق لوالدیہ	والدین کی نافرمانی کرنے والا۔ اور
والدیوث ورجلۃ	دیوث اور عورتوں کو بہکانے اور
النساء (نزھۃ)	بھگانے والا

دیّوث اس شخص کو کہتے ہیں۔ جو غیر مردوں کی اپنی بیوی کے پاس آمدورفت کو گوارا کرے۔ اور اس سے بدتر کمینہ وہ شخص ہے۔ جو خود غیر مردوں کو اپنی بیوی کے پاس لائے۔ اور اس سے تعارف اور ملاقات کرائے۔ کہ یہ بے غیرتی کا اعلے مظاہرہ ہے۔ العیاذ باللہ

۷۔ اخلاق کی عُمدگی

انسان کی کرامت و شرافت کا سارا مدار اس کے اخلاق اور عادات پر ہے جن اخلاق کی بدولت انسان دوسروں کی نگاہوں

کا تارہ اور سروں کا تاج بنتا ہے۔ اور بدخلقی سے ذلیل وخوار اور لوگوں کی نگاہوں میں خار ہوتا ہے۔

انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا مقصد اعلیٰ بھی مخلوق کے اخلاق کی درستی اور عادات واطوار کی راستی ہے۔ اور اس مقصد کی اصل تکمیل سید الانبیاء والمرسلین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے ذریعہ انجام دی گئی۔ اور اخلاق حسنہ کو تمام وکمال تک پہنچایا گیا۔ چنانچہ ارشادِ نبوی ہے:۔

بعثت لاتمم مکارم الاخلاق	میں اس لئے بھیجا گیا ہوں۔ کہ عمدہ اخلاق کو تمام وکمال تک پہنچا دوں

اسی لئے آپ مجسمہ اخلاق اور سراپا خوش اخلاق تھے اور حسن خلق کا وہ اعلےٰ نمونہ تھے۔ کہ اس نمونہ کے خلاف ہر بات بدخلقی اور سوء اخلاق شمار ہوتی ہے۔ اسی لئے آپ کے متعلق ارشاد ربانی ہے:۔

اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْم	بیشک آپ عظیم الشان اخلاق والے ہیں

قرآن حکیم ہر حسن وخوبی کو جامع اور حاوی ہے۔ اور حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی اس تعلیم کا اصلی نمونہ اور عملی تعبیر تھی۔ اسی لئے حضرت عائشہ صدیقہ سے جب حضور انور کے

اخلاق وعادات کے متعلق دریافت کیا گیا۔ تو فرمایا۔

کان خلقه القرآن — حضورؐ کے اخلاق قرآن کی تفسیر تھے۔

پس معلوم ہوا۔ کہ اخلاق کی درستی اصلی جوہر انسانی اور کمال ایمان کی نشانی ہے۔ اور جس مومن کے اخلاق درست نہیں بس میں کوئی بھی خیر وخوبی اور شرافت وکرامت کی بات نہیں۔

ارشاد نبوی ہے۔

اکمل المومنین ایمانا احسنهم خلقا (رزه عن الترمذی) — مومنوں میں زیادہ کامل ایمان ان کا ہے۔ جن کے اخلاق زیادہ اچھے ہیں۔

دوسری روایت میں ہے :۔

ان من خیارکم احسنکم خلقا (رزه عن الصحیحین) — بیشک تمہارے میں بہتر وہ لوگ ہیں جن کے اخلاق زیادہ اچھے ہوں

رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ روز حشر میدانِ عمل میں حسنِ خلق سے زیادہ وزنی کوئی عمل نہ ہوگا۔ اور حقتعالیٰ اس شخص کو مبغوض رکھتے ہیں۔ جو فحش گو اور بے ہودہ بکواس کرنے والا ہو۔ (رزه عن الترمذی)

نیز ارشاد فرمایا۔ مجھ سے محبوب تر اور مجھ سے نزدیک تر قیامت میں وہ لوگ ہونگے۔ جو اخلاق حسنہ سے آراستہ ہیں۔ اور مجھے مبغوض تر

اور مجھ سے بعید تر قیامت میں وہ لوگ ہونگے۔ جو بہت بکواس کرنے والے اور بڑھ کر بات کرنے والے اور بڑائی جتلانے والے ہیں۔ (نزھۃ عن الترمذی)

پس معلوم ہوا کہ حُسنِ خلق وُہ خوبی ہے۔ جو یہاں بھی اپنا جلوہ دکھلاتی ہے اور وہاں بھی سرشار رکھتی ہے۔ چنانچہ ارشاد نبوی ہے۔ "جو شخص باوجود حق پر ہونے کے جھگڑے کو چھوڑے میں اس کے لئے اطراف جنت میں ایک محل کا ذمہ دار ہوں۔ اور جو شخص جھوٹ کو ترک کرے میں اس کے لئے وسط جنت میں ایک محل کا ذمہ دار ہوں۔ اور جو شخص حسن خلق کو اختیار کرے میں اس کے لئے جنت کے اعلیٰ ترین مقام پر ایک محل کا ذمہ دار ہوں (نزھۃ عن ابی داؤد)

چونکہ اللہ اور اس کے رسول کو حُسنِ خلق پسند ہے۔ اور بد خلقی مبغوض اور ناپسندیدہ۔ اسی لئے حسن خلق کی وجہ سے انسان عالی مراتب حاصل کر لیتا ہے۔ اور بد خلقی کی بدولت تباہ و برباد ہوتا ہے ارشاد نبوی ہے :۔

اِنَّ الْمُؤْمِنَ لَیُدْرِکُ بِحُسْنِ الْخُلُقِ دَرَجَۃَ — مومن اپنے حسن خلق کی وجہ سے اس شخص کا مرتبہ پالیتا ہے۔ جو ہمیشہ روزہ

الصائم القائم (ترجمہ عن ابی داؤد) رکھتا ہو اور ہر وقت نماز پڑھتا ہو

حضرت ابو ہریرہ رضؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ کون لوگ جنّت میں زیادہ جائیں گے؟ ارشاد فرمایا۔ وہ لوگ جو متقی اور پرہیزگار ہونگے اور انکے اخلاق پاکیزہ ہوں گے (ترجمہ عن الترمذی)

اور یہ بات اس وقت میسر آتی ہے جب انسان اچھے اخلاق سے آراستہ ہو اور تمام بُری عادات سے پاک و صاف ہو۔

۱۔ اخلاقِ حسنہ سے آراستگی

عدل و احسان۔ رحم و کرم۔ تقوےٰ و پرہیزگاری نصیحت و خیر خواہی۔ سادگی و کفایت شعاری، بے تکلفی اور خوش مذاقی۔ پاکدامنی، سچائی اور حق گوئی، حلم و بردباری۔ نرم خوئی اور معافی۔ قناعت و سیر چشمی۔ سخاوت۔ شجاعت۔ استغنا۔ تواضع و انکساری، صبر و شکر گذاری۔ رضا بہ قضا۔ عیب پوشی۔ راز داری۔ اللہ تعالیٰ پر پورا توکل اور اعتماد۔ اللہ تعالےٰ سے ہر حال میں خوف و خشیہ۔ وغیرہ وغیرہ۔

یہ امور اخلاقِ حسنہ شمار ہوتے ہیں جن سے آراستگی یہاں بھی

زیب و زینت ہے۔ اور وہاں بھی سرخروئی اور شادابی ہے۔
بغیر ان اخلاق سے آراستہ ہوئے نہ ذوقِ ایمانی حاصل ہو سکتا ہے
اور نہ معرفتِ خداوندی پورے طور پر نصیب ہوتی ہے۔ اور نہ
خدا اور رسول کی بارگاہ میں مقرب و ممتاز بن سکتا ہے۔

۲۔ "اخلاقِ رذیلہ سے رستگاری" ظلم و تعدی زبردستی حرام خواری۔ بدخواہی
حق تلفی۔ ناانصافی۔ فضول خرچی۔ بدمزاجی۔ حرام کاری۔ دروغ
گوئی۔ فریب دہی۔ دغابازی۔ عیب جوئی۔ جاسوسی۔ غیبت
اور چغلخوری۔ پردہ دری۔ مکاری و عیاری۔ بزدلی اور بے صبری
ناشکری اور ناقدری۔ اغراض پرستی۔ نفس پروری۔ کینہ
پروری۔ بدگوئی و بدکلامی۔ فحش گوئی۔ کبر و بڑائی۔ نخوت و رعونت
وغیرہ وغیرہ۔ یہ امور "اخلاقِ ذمیمہ" شمار ہوتے ہیں۔ جو یہاں
بھی عیب و شعار ہیں۔ اور وہاں بھی بدنما داغ اور ہلاکت و
بربادی کا پورا سامان ہیں جن سے رستگاری مقتضیاتِ ایمان
سے ہے۔ اور جبتک انسان ان خبائث میں ملوث رہتا ہے
اللہ اور رسول کی بارگاہ سے دور رہتا ہے۔ اور دارین کی اصل
نعمتوں سے محروم رہتا ہے۔

اولیائے کرام اور صوفیائے عظام جو کچھ بھی مجاہدے اور ریاضتیں کراتے ہیں۔ ان سب کا منشا یہی ہوتا ہے۔ کہ انسان کو عیوب کی گندگیوں سے پاک وصاف کر کے خوبیوں سے آراستہ کیا جائے۔ تاکہ وہ بارگاہ خداوندی کی حاضری اور حضوری کے لائق ہو سکے۔ اور نور معرفت سے سرشار ہو۔ اور اس کا سہل اور مسلم طریق یہ ہے۔ کہ ہر عیب دار بات کو بخوبی غور کرے اور اس کی مضرت ونقصان کو اچھی طرح ذہن نشین کرے۔ اور پھر اس کو بتکلف چھوڑنے کی کوشش کرے جسقدر بری عادتیں چھوٹتی جائیں گی۔ اچھی عادات خود بخود جلوہ فرما ہونگی اور اچھی عادات کی جستجو اور طلب ورغبت اپنے میں پیدا کرے اور بہ تکلف ان کو اختیار کرے پھر نفس رفتہ رفتہ ان کا خوگر اور معتاد بن جائے گا۔ اور ان سے محظوظ اور مسرور ہوگا۔

اور جب انسان سراپا جمال بنجائے گا۔ تب انسانیت کے اصلی جواہر نمایاں ہوں گے۔ اور دنیا خلد بریں کا نمونہ ہوگی۔ اور ہر شخص مسرور وشاداں نظر آئے گا۔

بہشت آں جاست کہ آزارے نباشد
کسے را با کسے کارے نباشد

"مساوات قائم رکھنا"

تمام انسان ایک ماں و باپ کی اولاد ہیں۔ ایک ہی راہ سے دنیا میں آئے اور ایک ہی طریق پر دنیا سے جائینگے۔ نہ دنیا میں آنے سے پہلے کوئی شان امتیاز تھی۔ اور نہ جانے کے بعد کوئی خصوصی شان باقی رہتی ہے۔ ایک غریب ترین شخص کے لئے جو دو گز زمین اور دس گز کپڑا درکار ہے۔ وہی ایک شہنشاہ ہفت اقلیم کا سامانِ راہ اور آخری ٹھکانا ہے۔ سب کے سب ایک ہی خدا کے بندے ہیں۔ ایک ہی خالق کی مخلوق اور ایک ہی مولے کے مملوک اور غلام ہیں۔ وہی سب کی پرورش کرتا ہے۔ اور جس کو جس قدر چاہتا ہے۔ رزق اور رفعت دیتا ہے۔ وہی عزت دیتا ہے۔ وہی ذلیل و خوار کرتا ہے جس کو چاہتا ہے۔ امیر بناتا ہے جس کو چاہے غریب و محتاج کرتا ہے۔ جسم کی ساخت اعضا کی وضع خورد و نوش کا طریق۔ بول و براز کا انداز ہر ایک کا ایک ہے۔ احتیاج اور مجبوری میں سب برابر کے شریک ہیں۔ پھر کوئی وجہ نہیں۔ کہ ایک انسان کو دوسرے پر برتری اور تفوق ہو۔ ہر ایک کی مساویانہ

حیثیت ہوگی اور ہر ایک کے ساتھ برابر کا معاملہ ہوگا۔ البتہ اگر کرامت و بزرگی ہوگی۔ تو صرف اس انسان کیلئے ہوگی جو بالک الملک رب العالمین کا مقرب بارگاہ ہو۔ اور احکم الحاکمین کے دربار میں باریاب ہو۔ اور وہ بھی انسان ہونے کی حیثیت سے نہیں بلکہ انسانیت میں ممتاز ہونے کی وجہ سے۔ اس تقرب اور باریابی کا اعزاز و اکرام ہوگا۔ ورنہ انسانی حیثیت اور گوشت و پوست کے اعتبار سے سب برابر ہیں اور خدا کے یکساں بندے ہیں۔ ارشاد ربانی ہے :۔

یَا اَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّ اُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰکُمْ ط	اے لوگو! تحقیق ہم نے پیدا کیا ہے تم کو ایک مرد سے اور ایک عورت سے اور کیا ہے ہم نے تم کو کنبے اور قبیلے تا کہ ایک دوسرے کو پہچانو۔ تحقیق بہت بزرگ تمہارا نزدیک اللہ کے پرہیزگار تمہارا ہے۔

انسان میں بڑائی اور برتری کی اصلی جڑ عالی نسب اور اعلیٰ خاندان ہوتا ہے۔ اسی پر فخر و مباہات کے برگ و بار لگتے ہیں پس اس جڑ کا خاتمہ کر دیا گیا۔ اور اچھی طرح واضح کر دیا گیا۔ کہ سب

کی پیدائش ایک ہی باپ اور ماں سے ہے۔ پس نسب کی وجہ سے کسی کو کسی پر کوئی بڑائی اور برتری نہیں ہو سکتی۔ انساب کی تفریق اور خاندانوں کا جدا جدا ہونا کسی برتری کی علامت نہیں بلکہ محض اس لئے ہے۔ تاکہ باہمی تعارف اور ملاقات میں سہولت ہو۔ اگر یہ نہ ہوتا۔ تو انسان کو ہر وقت بڑی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا۔ اور بزرگی و برتری کا مدار صرف تقوٰے و پرہیزگاری پر ہے جو شخص جس قدر خدا ترس اور حقیقت رس ہوگا۔ اسی قدر اعزاز و اکرام کا مستحق ہوگا۔ اور انسانیت سے آراستہ ہوگا۔ چنانچہ ارشادِ نبوی ہے ” حق تعالٰے نے تم میں سے جاہلیت کا عیب اور باپ دادا کے ساتھ کا فخر نکال دیا۔ اب مومن متقی اور پرہیزگار ہے۔ اور فاسق شقی اور بدکردار ہے۔ اس کے علاوہ کوئی تفریق باقی نہیں رہی۔ اس لئے کہ تم سب آدم کی اولاد ہو۔ اور آدم کو مٹی سے بنایا گیا ہے (محمد المثل الکامل)

پس تمام وجوہ امتیاز کو ہٹا کر صرف ایک وجہ امتیاز قائم کر دیا گیا۔ جو ہر عظمت و بڑائی کی جڑ و بنیاد ہے۔ اور انسانیت اور شرافت کی روح رواں ہے . . . . ” تقوٰی و پرہیزگاری“ چنانچہ ارشادِ نبوی ہے :-

لافضل لعربی علی العجمی	نہیں ہے کوئی برتری عربی کو عجمی پر
ولعجمی علی عرابی ولا	اور نہ عجمی کو عربی پر اور نہ گورے کو
لابیض علی اسود ولا الاسود	کالے پر اور نہ کالے کو گورے پر مگر تقوی
علی ابیض الا بالتقوی	اور پرہیزگاری کے ساتھ ہیں جو شخص
(الحدیث)	بھی متقی اور پرہیزگار ہوگا۔ وہ برتر
	اور بالا ہوگا ۔

اور اس مساوات کو دل پسند اور خوش وضع بنانے کے لئے آپس میں برادری کا رشتہ قائم کر دیا گیا۔ تاکہ کسی کو بھولے سے بھی اپنی بڑائی اور برتری کا زعم پیدا نہ ہو۔ چنانچہ ارشادِ ربانی ہے :-

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ	بیشک تمام مومن بھائی بھائی ہیں۔

اور یہ بھائی بندی بھی معاندانہ نہ ہو بلکہ مصالحانہ خیر خواہانہ اور دوستانہ طریق پر ہو۔ جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے :-

اَلْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنَاتُ	تمام مومن مرد اور عورتیں آپس میں
بَعْضُھُمْ اَوْلِیَاءُ بَعْضٍ	ایک دوسرے کے دوست اور بہی خواہ ہیں

جب ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی اور دوست ہے تو ہر حیثیت سے باہم مساوات اور برابری ہوگی اور کسی قسم کی تفریق روا نہ ہوگی ۔ اور کوئی وجہ نہیں ۔ کہ بلاوجہ ایک دوسرے

پر برتری اور امتیاز ہو۔ بجز ان نفوس کے جن کو خدا نے بڑائی کا رتبہ دیا۔ اور ان کے اعزاز و اکرام کا حکم فرمایا۔ جیسے علماء امت بزرگان دین۔ والدین۔ خاندانی بزرگ۔ قوم کا سردار۔ کہ اُن کے اعزاز و اکرام کا انسان مامور اور مکلف ہے۔

اس مساوات کا سبق خانۂ خدا میں بلاکر روانہ پانچ مرتبہ دیا جاتا ہے۔ کہ نماز با جماعت میں ہر امیر و غریب بادشاہ اور فقیر ایک صف میں ایک ہیئت اور انداز کے ساتھ مالک الملک کے دربار میں حاضر ہوتے ہیں۔ اور اسی بندگی۔ بیچارگی۔ غلامی کا پورا مظاہرہ اور اعتراف کرتے ہیں۔ ؎

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی بندہ نواز

بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے
تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

اور صرف اسی شخص کی امامت اور قیادت میں تمام کام انجام پاتے ہیں۔ جو متقی اور پرہیزگار ہو۔ کسی بڑے سے بڑے صاحب جبروت شہنشاہ کی بھی یہ مجال نہیں۔ کہ وہ اپنے امام کے خلاف کوئی کام انجام دے۔ یا کسی کام میں اس سے سبقت کرے۔ اسی لئے

ضروری ہے کہ منصب امامت پر متقی اور پرہیزگار شخص فائز ہو۔ یہ قوم کی بدنصیبی شمار ہوگی۔ اگر ان کا امام بدکردار اور نابکار ہوگا۔

اسی مساوات کے سبق کو سالانہ عرفات کے میدان میں یاد کرایا جاتا ہے۔ جہاں امیر و غریب شاہ و گدا فریضۂ حج کی ادائیگی کے لئے جمع ہوتے ہیں۔ بندگی کا اجتماعی مظاہرہ ہوتا ہے۔ اور سب مساویانہ حیثیت سے دربارِ الٰہی میں حاضر ہوتے ہیں۔ لباس و مکان تک کا امتیاز اٹھا دیا جاتا ہے۔ اور سب ایک ہی لباس اور وضع قطع کے ساتھ لق و دق میدان میں اپنے مولیٰ کے روبرو سرنگوں اور شرمسار ہوتے ہیں۔ یہاں بھی اگر کوئی نمایاں ہستی ہوتی ہے تو صرف وہی جو متقی اور پرہیزگار ہو۔ اور اسی کی قیادت میں سب امور انجام پاتے ہیں۔ جو امام قوم اور امیرِ حج کہلاتا ہے۔ غرض مساوات اسلام کی اصلی رُوح ہے اور انسانیت کا اعلےٰ احترام اور عالی مقام ہے جس کے چند مظاہر یہ ہیں:۔

۱۔ **عزت و حُرمت میں برابری** ہر مسلمان اعلےٰ ہو یا ادنیٰ، امیر ہو یا غریب باعزت اور صاحبِ حُرمت ہے دوسرے مسلمان پر اس کا اعزاز

واحترام ضروری ہے۔ کسی مسلمان کی ذرا بےحرمتی بھی گوارا نہیں ہے
ارشادِ نبوی ہے:۔

المسلم اخو المسلم	مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ نہ اس
لا یظلمہ ولا یخذلہ ولا	پر ظلم کرے اور نہ اس کو رسوا کرے اور
یحقرہ (نزھ)	نہ اس کی بے حرمتی کرے۔

مسلمان کی تحقیر و تذلیل بدترین جرم ہے اور بھائی بندی کے سراسر خلاف ہے۔ ارشادِ نبوی ہے:۔

حسب امرئ من	کافی بڑی شرارت ہے یہ بات کہ
الشر ان یحقر اخاہ المسلم	اپنے مسلمان بھائی کی تحقیر کیجائے۔
کل المسلم علی المسلم	مسلمان کی مسلمان پر ہر چیز حرام ہے
حرام دمہ وعرضہ و	اس کی جان بھی اور اس کی آبرو بھی
مالہ (نزھ)	اور اس کا مال بھی۔

امیر المؤمنین حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا ہے کوئی شخص کسی مسلمان کی تحقیر و تذلیل نہ کرے۔ اس لئے کہ ادنیٰ ترین مسلمان بھی اللہ کے نزدیک باعظمت ہے۔ (المثل الکامل)

جب اللہ رب العزت کے یہاں ہر مسلمان باعظمت ہے۔ تو لامحالہ اس کی مخلوقات کیلئے بھی باعظمت و باحرمت ہے اور کسی

مسلمان کی ادنیٰ بیحرمتی بھی اخوّت اسلامی اور خصائل ایمانی کے منافی ہے۔ اور بدترین جرم ہے۔

۲۔ "معاملات میں برابری" جب کسی مسلمان کو دوسرے پر بڑائی اور برتری نہیں اور سب کے سب باعزّت و محترم ہیں۔ تو ہر ایک کے ساتھ ہر معاملہ میں برابری رکھی جائے گی۔ اور کسی امیر کی امارت کی وجہ سے پاسداری نہ ہوگی اور کسی غریب کی غربت کی وجہ سے حق تلفی نہ ہوگی۔ حق و انصاف کے پیشِ نظر شاہ و گدا ایک ہوں گے۔ مجرم کو سزا دیجائیگی۔ اگرچہ وہ شہزادہ وقت اور امیر دوران ہو۔ اور حقدار کا حق دلایا جائے گا اگرچہ وہ مفلس و نادار اور بے یار و مددگار ہو۔ ارشاد ربانی ہے:۔

اِعْدِلُوا هُوَ اَقْرَبُ — انصاف کرو یہ قریب تر ہے۔
لِلتَّقْوٰى — پرہیزگاری کے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:۔

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ — بیشک اللہ پسند کرتا ہے۔ انصاف
الْمُقْسِطِيْنَ — کرنے والوں کو۔

عدل و انصاف کی داستانیں، اسلامی عدالتیں۔ خلفائے راشدین اور اسلامی امرا اور سلاطین کے احکامات اور فیصلے ہر ہر

قدم پر اس بات کا سبق دیتے ہیں۔ کہ سب انسان انسانیت میں برابر کے شریک ہیں۔ اور عدل و انصاف کے پیشِ نظر ہر ایک کو ایک نگاہ سے دیکھا جائے گا اور ایک ترازو سے تولا جائیگا کسی کی رُو رعائت اور جانبداری نہ ہوگی جس سے ناانصافی ہو اور دوسرے کی حق تلفی ہو۔ اگر یہاں کسی کی ذرّہ بھر بھی حق تلفی ہوگی اور رائی برابر بھی ناانصافی اور ظلم و تعدّی ہوگی۔ تو روزِ حشر اسکی مکافات ہوگی۔ ارشادِ ربانی ہے:۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ	اور ہرگز گمان مت کر اللہ کو کہ بے
غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ	خبر ہے اس چیز سے، جو کرتے
الظّٰلِمُوْنَ ؕ	ہیں ظالم ؎

رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے حق سبحانہ و تعالےٰ فرماتے ہیں۔ "میری عزت و جلال کی قسم میں ظالم سے ضرور بدلہ لونگا۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی (ترمذی) نیز ارشاد فرمایا۔ قیامت میں ہر صاحبِ حق کا حق دلایا جائے گا۔ اگرچہ وہ معمولی اور حقیر ہو۔ (ترمذی عن المسلم) یہی اسلامی تعلیم ہے۔ اور یہی مقتضائے حقانیت اور صداقت ہے۔ اور اسی سے انسانیت کو عروج و فروغ ہے۔ اور اسی کی بدولت دنیا میں امن و سلامتی قائم ہو سکتی

سب ہے - اور ہر شخص مامون و محفوظ زندگی بسر کر سکتا ہے

۳- "طرزِ معاشرت میں برابری" جب انسان سب کے سب برابر ہیں - بھائی اور دوست ہیں تو ہر ایک کے ساتھ برادرانہ معاشرت اور دوستانہ تعلّق ہونا چاہیئے - اور ہر ایک کے ساتھ بڑا ہو یا چھوٹا امیر ہو یا غریب واقف ہو یا اجنبی - آقا ہو یا مملوک - اچھّا برتاؤ اور حُسنِ سلوک ضروری ہے چنانچہ ارشادِ ربّانی ہے :-

وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا	اور ساتھ ماں باپ کے احسان کرنا اور
بِذِی الْقُرْبٰی وَالْيَتٰمٰی	قرابت والوں کے اور یتیموں کے
وَالْمَسَاكِيْنِ وَالْجَارِ ذِی	اور مسکینوں کے اور ہمسایہ قرابت والے
الْقُرْبٰی وَالْجَارِ الْجُنُبِ	کے اور ہمسایہ اجنبی کے - اور
وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ	صحبت رکھنے والوں پر - اور
السَّبِيْلِ وَمَا مَلَكَتْ	مسافر پر اور جن کے مالک ہوئے ہیں
اَيْمَانُكُمْ	ہاتھ تمہارے +

ماں باپ - رشتہ دار یتیمٰی اور مساکین - پڑوسی رشتہ دار ہو یا اجنبی - دوست احباب - پردیسی، ناواقف مسافر - اپنے ماتحت ملازم وغیرہ - یہی وہ لوگ ہیں جن سے انسان کو ہر وقت سابقہ

اور واسطہ پڑتا ہے۔ اس لئے صراحت کے ساتھ، ان کے ساتھ حسنِ سلوک اور اچھے برتاؤ کا حکم دیا گیا۔ اور حکم دیا گیا۔ کہ کسی شخص کے ساتھ بھی بے رخی اور بے اعتنائی اور بے توجہی کا برتاؤ نہ کیا جائے۔ ارشادِ ربانی ہے :۔

وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ — اور مت چڑھا اپنے منہ کو لوگوں کیلئے ۔

اپنی گفتگو اور لب و لہجہ کو ہر حال میں ہر شخص کے سامنے نرم رکھا جائے :۔

وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ — اور نرم رکھو اپنی آواز کو ۔

خودستائی ۔ خود پسندی ۔ بڑائی اور برتری کا مظاہرہ نہ کیا جائے

وَلَا تُزَكُّوا أَنْفُسَكُمْ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقَىٰ — اور مت بڑا سمجھو اپنے کو اللہ زیادہ جاننے والا ہے اس شخص کو جو پرہیزگار ہے

ان کے جتنے اور بھی معاشرت میں تفریق اور تعلقات میں ناگواری پیدا کرنے والے تھے۔ سب سے منع کر دیا گیا ارشادِ ربانی ہے :۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِنْ قَوْمٍ — اے ایمان والو ٹھٹھا کرے کوئی قوم کسی قوم سے، شاید کہ وہ بہتر ہوں ان

عَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰۤى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ○

سے۔ اور نہ عورتیں عورتوں سے۔ شائد کہ وہ بہتر ہوں ان سے۔ اور مت عیب لگاؤ اپنے کو اور مت بدنام کرو ساتھ بُرے القاب کے بُرا نام ہے بدکاری ایمان کے بعد اور جس نے نہ توبہ کی۔ پس یہ لوگ وہ ہیں ظالم ×

تمسخر اڑانا۔ برائی جتلانا۔ پھبتی اڑانا۔ آوازے کسنا۔ عیب لگانا۔ طعن و تشنیع کرنا۔ بُرے نام سے یاد کرنا وغیرہ وغیرہ۔ امور معاشرت پر بدنما داغ ہیں۔ اور انسان کی عزت و شرافت کو تباہ و برباد کر دیتے ہیں۔ اور انسانیت پر پورا ظلم ہے۔ معاشرت کا اچھوتا نمونہ اور مساوات کا اعلےٰ مظاہرہ صحابہ کرام نے پیش کیا جو اصل پیکرِ اسلامی تھے۔ اور اسوۂ حسنۂ نبوی کے اعلےٰ کفش بردار۔

قیس بن ابی حازم کہتے ہیں۔ کہ امیر المومنین حضرت عمرؓ بن الخطاب رضی اللہ عنہ جب ملک شام میں پہنچے۔ تو امرا رشام استقبال کے لئے آئے۔ میں نے کہا۔ آپ سواری پر سوار ہو جائیے

تاکہ لوگ آپکو پہچان لیں اور اعزاز کریں۔ ارشاد فرمایا "تم عزت کو ان سطحی امور میں سمجھتے ہو۔ حالانکہ عزت آسمان والے کی طرف سے ہوتی ہے۔ مجھ کو میرے حال پر چھوڑ دو (ترجمہ)

اس سفر میں ایک سواری ساتھ تھی اور ایک غلام ساتھ تھا حضرت عمرؓ اور غلام نوبت بہ نوبت سوار ہوتے تھے۔ ایک میل ایک سوار ہوتا۔ اور دوسرا باگ پکڑ کر ہمراہ چلتا تھا جب ملک شام کے قریب پہنچے۔ تو غلام کے سواری کی نوبت تھی۔ اور حضرت عمرؓ باگ تھامے ہوئے ساتھ تھے۔ اسی اثنا میں راستہ میں پانی بھی آگیا۔ اور حضرت عمرؓ کے کپڑے گارے میں بھر گئے۔ اس حالت میں حضرت ابو عبیدہ بن الجراح ملے۔ جو اس وقت امیر شام تھے۔ اور عرض کیا۔ کہ ملک شام کے امرا آپ کے استقبال کیلئے آئیں گے۔ یہ بات اچھی نہیں معلوم ہوتی۔ کہ وہ آپ کو اس خستہ حالی میں پیادہ پا دیکھیں۔ حضرت عمرؓ نے ارشاد فرمایا۔ "خدا نے ہمیں اسلام کی وجہ سے عزت دی ہے۔ میں ان باتوں کی پرواہ نہیں کرتا" (ترجمہ)

امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بازار سے گوشت خریدا۔ اور زنبیل میں رکھ کر چل دیئے۔ ایک ساتھی نے عرض کیا

کہ امیر المومنین مجھے دیدیجئے۔ ارشاد فرمایا نہیں۔ کنبہ والا اپنا بوجھ اٹھانے کا زیادہ مستحق ہے۔" حضرت ابوہریرہؓ مروان کی جانب سے امیر مقرر تھے۔ اور لکڑیوں کا گٹھا سر پر اٹھائے ہوئے بازار سے چلے جارہے تھے۔ اور جہاں اژدہام ہوتا لوگوں سے کہتے۔ اپنے امیر کو راستہ دیدو۔ (از ھ)

یہ چند واقعات ہیں۔ صحابہ کرام کی ساری زندگی انہیں کرشموں سے بھرپور تھی جس سے دنیا محو حیرت تھی۔ اور انسانیت اوج کمال پر تھی۔ اس لئے کہ حقانیت اور صداقت کے مجسمے موجود تھے۔ اور اسلام پوری آب و تاب کے ساتھ چمک رہا تھا جب اسلامی نمونے نہ رہے۔ تو رفتہ رفتہ یہ روشنی بھی ماند پڑ گئی۔ آج بھی اگر کوئی بندۂ خدا اسلامی تعلیمات کا عامل ہے۔ تو اوج کمال پر ہے۔ اور کرامت و شرافت کا نمونہ ہے۔ اور لوگوں کی نگاہوں میں باوقار اور سردل عزیز ہے۔ قدرت حق نے اور بھی بہت سے امور میں انسان کے ساتھ مساوات برتی۔ اور امیر و غریب کا کوئی امتیاز نہیں رکھا۔ مثلاً (۱) تکلیف و راحت میں مساوات امیر ہو یا غریب ہر ایک کو تکلیف بھی پہنچتی ہے۔ اور راحت بھی نصیب ہوتی ہے۔ یہ نہیں کہ امراء سراپا راحت ہوں اور غرباء

محبتمہ کلفت۔ دونوں کو دونوں نوع کا حصّہ دیا گیا ہے۔ اور برابر برابر دیا گیا۔ (۲) سرور وغم میں مساوات۔ امیر ہو یا غریب ہر ایک مسرور و شاداں بھی ہوتا ہے اور رنجیدہ و مغموم بھی ہوتا ہے۔ یہ نہیں کہ امراء ہر وقت مسرور رہیں اور غرباء غم میں مبتلا رہیں۔ دونوں کو دونوں نوع کا حصّہ دیا گیا ہے۔ اور برابر دیا گیا ہے۔ (۳) تندرستی اور بیماری میں مساوات۔ امیر ہو یا غریب ہر ایک تندرست بھی رہتا ہے۔ اور بیمار بھی پڑتا ہے۔ یہ نہیں کہ امراء ہمیشہ تندرست رہیں اور غرباء ہر وقت بیمار پڑے رہیں۔ دونوں کو دونوں نوع کا حصہ دیا گیا ہے اور برابر دیا گیا ہے۔ ان اہم امور میں مساوات کے باوجود مال و دولت کی تقسیم میں تفریق کی گئی۔ جو انسانی ضرورتوں کے پیش نظر ناگزیر تھی۔ اور کارخانۂ عالم کو چلانے کے لئے لابدی تھی۔

"مال و دولت میں تفاوت"

(۱) دنیا کو دار العمل اور امتحانگاہ بنایا گیا۔ جہاں انسان کو ہر حیثیت اور ہر نوعیت سے جانچا اور پرکھا جاتا ہے۔ اگر سب کی مساویانہ حیثیت ہوتی۔ تو جانچ و پڑتال کے مواقع مفقود ہوتے۔ امتحان کی کوئی گنجائش باقی نہ رہتی۔ ترقی کے دروازے

مسدود ہو جاتے اور مسابقت کی راہ بند ہو جاتی۔ اور انسان اصلی ترقی اور اعلیٰ کمال سے محروم رہ جاتا۔ ارشاد ربانی ہے:۔

وَهُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ	اور وہ ہے جس نے کیا تم کو جانشین
خَلَائِفَ الْأَرْضِ وَرَ	زمین کا اور بلند کیا بعض تمہارے
فَعَ بَعْضَكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ	کو اوپر بعض کے درجہ میں۔ تاکہ آزمائے
دَرَجَاتٍ لِيَبْلُوَكُمْ فِيمَا	تم کو بیچ اس چیز کے کہ دیا
آتَاكُمْ ط	ہے تم کو۔

۲۔ انسان کی کرامت و شرافت فضیلت و منقبت کا سارا دار و مدار فرق مراتب اور تفاوت درجات پر ہے۔ اگر سب ایک ہی درجہ اور رتبہ کے ہوتے۔ تو باہمی امتیازات قائم نہ رہتے۔ ایک کو دوسرے پر کوئی فضیلت اور برتری نہ ہوتی۔ بے اعتنائی اور بے پروائی بڑھتی۔ اور کسی کو کسی کے ساتھ ہمدردی خیر خواہی۔ دلجوئی خبر گیری نہ ہوتی۔ اور سارا نظام عالم دگرگوں ہوتا۔ دوسری معاشرت ہوتی اور نیا نظام ہوتا حالانکہ انسان کی ساری خصوصیات موجودہ نظام کے ساتھ وابستہ ہیں جس نے انسان کو ملائکہ کا مسجود اور حوران بہشت کا محبوب بنایا ہوا ہے۔

پس انسان کو بڑھانے اور چمکانے کے لئے موجودہ نظام کو قائم رکھا گیا۔ اور اس کے بقا کے لئے فرقِ مراتب رکھے گئے۔ تاکہ انسان کی اصلی کرامت اور وجہ شرافت محفوظ رہے ارشادِ ربانی ہے :۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَ حَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰي كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ؁	اور تحقیق عزت دی ہم نے بنی آدم کو اور چڑھایا ہم نے ان کو سواریوں پر خشکی اور دریا میں۔ اور رزق دیا ہم نے ان کو پاکیزہ چیزوں سے اور بڑائی دی ہم نے ان کو اپنی بہت سی مخلوقات پر ۔

۲۔ اس کارخانۂ عالم کے سارے انتظامات اور روابط ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ ہیں اور ہر ایک دوسرے کا محتاج ہے اور یہ حاجت روائی اور کارکردگی اسی وقت ممکن ہے جب آپس میں تفاوت درجات اور فرق مراتب ہو۔ اگر سب ہم مرتبہ اور مساوی ہوں گے کسی کی غرض دوسرے کے ساتھ وابستہ نہ ہوگی۔ تو ہر ایک کو ہر وقت ہر کام میں دشواریوں کا سامنا ہوگا۔ اور کسی کا کوئی کام بھی بروئے کار نہ آئے گا۔ اور انسان

بیکار محض ہو گا۔

کسی مشین کے کارآمد ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس کے تمام پرزے مختلف نوعیت کے ہوں اور مختلف کام انجام دیں۔ اگر سب پرزوں کو ایک ہی نمونہ اور ایک ہی حیثیت اور ایک ہی کام کا بنادیا جائے۔ تو نہ مشین وجود میں آئے گی اور نہ اس کے منافع متصور ہوں گے۔ بلکہ سارے اجزا معطل اور بیکار ثابت ہونگے۔

۴۔ اس عالم کی ساری حسن وخوبی اور زیب وزینت اختلاف مراتب اور تفاوت درجات کی وجہ سے ہے۔ کسی شے کا حُسن جب ہی نمایاں ہوتا ہے جب اس کی ضد سامنے ہو۔ چنانچہ قاعدہ کلیہ ہے:۔

تعرف الاشیاء باضدادھا	اشیاء کی حقیقت ان کی اضداد سے سمجھ میں آتی ہے ۔

اسی لئے ہر شے کی ضد کو پیدا کیا گیا۔ تاکہ حسن و قبح کا فرق معلوم ہو۔ اور یہیں سے انسانی تفریق پیدا ہوئی۔ جو حسن و جمال اور کمال سے آراستہ ہیں۔ وہ حسین و جمیل باکمال ہیں۔ اور جو اس سے خالی ہیں۔ وہ قبیح، حقیر اور عیب دار ہیں۔ پس عالم کے حسن و جمال

اور زیب و زینت کو نمایاں کرنے کیلئے فرق مراتب اور تفاوت درجات ناگزیر ہے۔

ع۔ "لے ذوق اس چمن کو ہے زیب اختلاف سے"

انسان میں بہت سے امور وہ ہیں جن میں اس کے کسب اور کارکردگی کو کوئی تعلق نہیں۔ بلا واسطہ عطا ربانی ہیں۔ ان میں بیشتر مساوات برتی گئی۔ دوسرے وہ امور ہیں جن میں انسان کے کسب اور کارکردگی کو کچھ دخل ہے۔ اور عطاء ربانی کا کوئی واسطہ اور ذریعہ ہے۔ ان میں بیشتر تفاوت اور تفریق کی گئی۔ اور انسان کو اس کی جہد اور مشقت کے بقدر کسب کے مناسب عطا کیا گیا۔ تاکہ کسب کمال اور کسب معاش کا دروازہ مسدود نہ ہو۔ اور انسان ہر وقت جد وجہد اور محنت و مشقت میں لگا رہے۔ تمام ظاہری اور باطنی، صوری اور معنوی کمالات اسی قبیل سے ہیں۔ اور انسان کو بقدر کسب عطا ہوتے ہیں۔ اسی قبیل سے مال و دولت ہے۔ جو شخص جس قدر محنت کریگا۔ اسی قدر دولت کا مستحق ہوگا یہ سراسر انصاف اور حق تلفی ہے۔ کہ کام کرنے والے اور بیکار رہنے والے کو یکساں دیا جائے۔ ارشاد ربانی ہے:۔

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ — اور ہوس مت کرو جس چیز میں بڑائی

اللّٰہُ بِہٖ بَعْضَکُمْ عَلٰی بَعْضٍ ۔ دی اللہ نے ایک کو ایک سے
لِلرِّجَالِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اکْتَسَبُوْا ۔ مردوں کو حصہ ہے اپنی کمائی سے
وَلِلنِّسَآءِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اکْتَسَبْنَ ۔ اور عورتوں کو حصہ ہے اپنی کمائی سے

پس فضیلت وکمال کا مدار اور مال و دولت کے حصول کا طریق کسب کمال اور کسب معاش ہے۔ جو شخص جس قدر کسب کریگا۔ اسی قدر فائز و کامیاب ہوگا۔

(۹) "کسب معاش میں سرگرمی"

؎ رزق ہرچند بیگمان رسد ؛ شرطِ عقل ست جستن اندر ہا

معاش کا حاصل کرنا اور اپنی روزی آپ پیدا کرنا اپنی اور اپنے متعلقین کی ضروریات کو پورا کرنا انسان کی فطرت میں داخل ہے وہ شخص انسان کہلانے کا ہرگز مستحق نہیں جو اپنی روزی آپ پیدا نہ کرسکتا ہو۔ اور اپنی اور اپنے اہل وعیال کی ضرورتوں سے غافل و مدہوش ہو۔ اور اپنی ضروریاتِ زندگی کو پیدا کرنے میں دستِ نگر اور شرمندۂ احسان ہو۔ اسی لئے شریعت محمدیہ میں کسب معاش کو اہمیت اور فضیلت دی گئی۔ اور بیکاری کو جرم قرار دیا گیا اور معاش کے حلال طریقوں کو عبادت کا درجہ دیا گیا۔ اور انسان کو

طلب رزق کے لئے مامور اور مکلّف بنایا گیا۔ ارشاد ربانی ہے

فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوۃُ — پس جب پورا کر چکو تم نماز کو۔ تو
فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ — منتشر ہو جاؤ زمین میں اور جستجو
وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ — کرو اللہ کے رزق کی ؂

فریضۂ اخروی اور فریضۂ دنیوی دونوں بندہ سے متعلّق ہیں اور دونوں کی ادائیگی سے دین کی تکمیل اور بندگی کی ادائیگی ہوتی ہے پس جب فریضۂ اخروی یعنی نماز کی ادائیگی سے فارغ ہو، جائے۔ تو فریضۂ دنیوی اور ضروریات زندگی کی خانہ پری اور شکم پروری کے لئے رزق حلال کی طلب وجستجو ضروری ہے جس کے لئے خدا کی وسیع زمین پڑی ہوئی ہے جسمیں انسانی رزق بکھرا ہوا ہے۔ تاکہ اس خوان نعما سے رزق حاصل کیا جائے اور رزاق حقیقی کی شکر گذاری کا حق ادا کیا جائے ارشاد ربانی ہے

وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا — اور بنایا ہم نے تمہارے لئے زمین
مَعَايِشَ قَلِيْلًا مَّا — میں معاش کے ذریعے تم بہت ہی
تَشْكُرُوْنَ ۝ — کم شکر گذاری کرتے ہو؛

قدرت نے دن اور رات کی تقسیم اسی لئے کی ہے۔ تاکہ رات کو راحت وآرام کیا جائے۔ اور اپنے مالک ومعبود کو یاد کیا

جائے۔ اور دن کا بیشتر حصہ طلب معاش میں گذارا جائے۔ اور اپنے مولیٰ کے پسندیدہ کاموں میں سرگردان اور منہمک رہے۔ ارشادِ ربانی ہے:۔

وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا۔ — اور بنایا ہم نے دن کو معاش حاصل کرنے کے لئے:

قدرت کا یہ عظیم الشان احسان ہے۔ کہ اس نے جہاں انسان کے ساتھ مختلف ضروریات کو وابستہ کیا۔ وہیں ان کے پورا کرنے کے مواقع اور سامان بھی فراہم کر دیئے۔ اور ان مواقع سے فائدہ اٹھانے اور سامان زندگی کو مہیا کرنے کو بھی ذریعہ آخرت اور باعث اجر و ثواب بنا دیا:

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ جو شخص حلال روزی کی جستجو کرے۔ تاکہ سوال کرنے سے محفوظ رہے۔ اور اپنے اہل وعیال کی پرورش کرے اور پڑوس کی خبر گیری کرے۔ وہ شخص جب خدا کے سامنے پیش ہوگا۔ تو اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکدار ہوگا: نیز جب یہاں اپنے چہرہ کو غربت سے بچایا۔ اور دوسروں کی دست نگری سے محفوظ رہا تو لامحالہ وہاں آفتاب و ماہتاب کی طرح درخشاں ہوگا۔ اس لئے کہ

دوسروں کے سامنے دست سوال دراز کرتا اور دوسروں کی کمائی سے خوشہ چینی کرنا بدترین عیب ہے۔ اور سراسر روسیاہی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ ایک انصاری صحابی بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے۔ اور تنگدستی کا اظہار کیا۔ حضور اقدس نے ارشاد فرمایا۔ کیا تمہارے گھر میں کچھ بھی نہیں؟ انصاری نے عرض کیا ہاں ایک ٹاٹ کا فرش ہے جس کو آدھے کو اوڑھتے ہیں اور آدھے کو بچھاتے ہیں اور ایک پانی پینے کا پیالہ ہے۔ حضور اقدس نے ارشاد فرمایا۔ ان دونوں کو میرے پاس لے آؤ۔ اور ان کو دست مبارک میں لے کر فرمایا۔ کون ان کا خریدار ہے۔ ایک صحابی نے عرض کیا۔ میں ایک درہم میں خریدار ہوں حضور اقدس نے دو یا تین مرتبہ ارشاد فرمایا۔ کوئی ہے۔ ایک درہم سے زیادہ دینے والا؟ دوسرے صحابی نے عرض کیا۔ میں دو درہم میں خریدار ہوں۔ حضور اقدس نے دونوں چیزیں اس کو دیدیں۔ اور درہم لے کر انصاری کو مرحمت فرمائے۔ اور فرمایا۔ ایک درہم کا کھانے کا سامان لے آؤ اور گھر والوں کو دے دو۔ اور دوسرے درہم کا کلہاڑا خرید کر میرے پاس لے آؤ۔ حضور اقدس نے اپنے ہاتھ سے اس میں لکڑی لگائی۔ اور فرمایا۔ جاؤ۔ لکڑیاں توڑ کر لایا کرو۔

اور گذر کیا کرو۔ پندرہ روز تک یہی کام کرتا اور اپنی شکل نہ دکھلانا انصاری نے ایسا ہی کیا۔ پندرہ روز بعد حاضر ہوا۔ تو اس کے پاس دس درہم تھے۔ کچھ کا کپڑا خریدا اور کچھ کا کھانے کا سامان لیا حضور اقدس نے ارشاد فرمایا۔ یہ محنت و مشقت کے ساتھ روزی کمانا اس سے بہتر ہے۔ کہ روز حشر سوال کی وجہ سے تیرے چہرہ پر بدنما داغ ہوں (ترجمہ عن ابی داؤد)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اپنی پشت پر لکڑیوں کا گٹھا اٹھا کر لانا اور اس پر گذر کرنا اس سے بہتر ہے کہ لوگوں سے حاجت روائی کا خواہاں ہو۔ خواہ وہ اس کی حاجات کو پورا کریں یا رد کر دیں۔ (ترجمہ از صحیحین) نیز ارشاد فرمایا جو شخص شام کو کار معاش سے تھک کر چور ہو جائے۔ اس کی مغفرت ہو چکی۔ (ترجمہ عن الطبرانی) اسی لئے رزق حلال کی طلب کو جہاد سے تعبیر کیا گیا۔ ارشاد نبوی ہے:۔

طلب الحلال جہاد ۔ رزق حلال کی طلب جہاد ہے۔ اور

وان اللہ یحب العبد المحترف ۔ اللہ تعالےٰ پیشہ ور بندہ کو پسند فرماتے ہیں۔

جنت میں ایک مخصوص مقام ہے جس تک رسائی انہیں

لوگوں کی ہو سکتی ہے۔ جو یہاں فکرِ معاش میں سرگرداں اور حیران پھرتے ہیں۔ ارشادِ نبوی ہے:۔

ان فی الجنۃ درجۃً	جنت میں ایک مخصوص درجہ ہے
لاینالھا الا ارباب الھموم	جس تک رسائی انہیں لوگوں کی ہوگی
فی طلب المعیشۃِ	جو معاش کی جستجو میں پریشان و
(رامور عن الدیلمی)	حیران ہیں۔

بزرگوں نے لکھا ہے۔ کہ بہت سے ایسے گناہ ہیں۔ جن کا کفارہ صرف فکرِ معاش ہے۔ اور وادیٔ معرفت کی بہت سی گھاٹیاں ایسی ہیں جو معاش کی پریشانی بغیر کسی طرح عبور نہیں ہو سکتیں کسبِ معاش نہ زہد و تقوٰے۔ اور اطاعت و عبادت کے منافی نہیں۔ بلکہ اصل تقوٰے پرہیزگاری ہے۔ اور عبادت کا اہم ترین جزء ہے۔ ارشادِ نبوی ہے۔ عبادت کے دس حصے ہیں۔ جن میں سے نو کی ادائیگی طلبِ حلال سے ہوتی ہے اہم اوامرِ خداوندی کی بجاآوری کو عبادت کہتے ہیں۔ چونکہ بیشتر اوامرِ الٰہی معاملات۔ معاشرت۔ اخلاق سے متعلق ہیں۔ جو معاشی زندگی کے لوازمات ہیں۔ اس لئے طلبِ معاش کو نو حصہ عبادت کی ادائیگی کا ذریعہ قرار دیا گیا۔ پس جس شخص نے معاش

کو معطل کر دیا۔ اس نے نو حصہ دین کو ضائع کر دیا۔

توکّل کی حقیقت } نادان لوگ بیکاری کو توکل سمجھتے ہیں اور اس کو خیر سمجھتے ہیں۔ حالانکہ بیکاری اسلامی جرم ہے۔ اللہ اور رسول کا جرم ہے۔ قومی جرم ہے انسانی جرم ہے۔ ہر حیثیت سے مجرم وخطا کار کا ہنر مند کیسے ہو سکتا ہے؟ یہ دینداری نہیں۔ بلکہ خود کو بھی دھوکا دینا ہے اور دوسروں کو فریب میں مبتلا کرنا ہے۔ اور تعلیمات اسلام۔ اسوۂ رسول۔ سیرت صحابہ طرز سلف صالحین کے بالکل خلاف ہے۔

حضرت امام احمد بن حنبل سے کسی نے دریافت کیا۔ تمہاری اس شخص کے بارہ میں کیا رائے ہے۔ جو گھر میں یا مسجد میں بیٹھ جائے اور کہے مجھے معاش کی فکر نہیں۔ اللہ تعالےٰ مجھ کو رزق پہنچائیگا امام احمد بن حنبل نے فرمایا۔ یہ شخص علم دین سے بالکل ناواقف ہے۔ کیا اس نے حضور کا ارشاد نہیں سُنا۔

اِنَّ اللّٰہَ جَعَلَ رِزْقِیْ تَحْتَ ظِلِّ رُمْحِیْ
اللہ تعالےٰ نے میرا رزق میرے نیزہ کے سایہ میں بنایا ہے۔

یعنی جہاد فی سبیل اللہ میرا ذریعہ معاش ہے۔ اور اصلی روزگار ہے۔

کیا تم صحابہ کرام کے طرز عمل کو نہیں دیکھتے۔ کہ وہ یا تجارت کرتے تھے یا زراعت اور ہمارے لئے انکا اقتدا، ضروری ہے انزھ

ترمذی میں حضرت عمر بن الخطاب سے مروی ہے۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لو توکلتم علی اللہ حق	اگر تم اللہ پہ پورا توکل کرو۔ تو تم
توکلہ لیرزقکم کما	کو ایسی طرح رزق دے۔ جیسے پرندہ
یرزق الطیر تغدو خماصا	کو دیتا ہے کہ صبح کو خالی پیٹ نکلتا ہے
وتروح بطانا	اور شام کو شکم سیر لوٹتا ہے ؛

امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں۔ اس حدیث سے بیکاری اور فارغ البالی کا ثبوت نہیں ہوتا۔ بلکہ اس سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ طلب رزق کے لئے گھر سے باہر نکلنا ضروری ہے۔ اور حدیث کا مطلب یہ ہے۔ کہ اگر اللہ تعالےٰ پر اپنی آمد و رفت اور کاروبار میں پورا توکل کریں۔ اور سمجھ لیں۔ کہ ہر خیر اس کے ہاتھ میں ہے۔ اور اسی کی طرف سے ہے۔ تو ہمیشہ سعود مند اور کامیاب رہیں گے۔ جیسے پرندے کہ اللہ کے بھروسہ پر گھر سے بھوکے نکلتے ہیں۔ پھر اللہ کے فضل سے شام کو پیٹ بھرے ہوئے لوٹتے ہیں لیکن لوگ اپنی قوت بازو اور محنت اور کاوش دماغی پر بھروسہ کرتے

کرتے ہیں۔ اور یہ توکل کے خلاف ہے پس بسا اوقات ناکام رہتے ہیں (نزھۃ)

امیرالمومنین حضرت فاروق نے یمن کے بعض لوگوں کو دیکھ کر دریافت فرمایا۔ تم کون ہو؟ انہوں نے عرض کیا متوکلون (توکل کرنے والے) حضرت عمر فاروق نے ارشاد فرمایا:۔

کذبتم انتم متاکلون	جھوٹ بولتے ہو۔ تم مفت خورے
انما المتوکل رجل القی	ہو۔ متوکل تو وہ ہے جو دانہ کو زمین پر
حبۃ فی التراب متوکل	بکھیرے اور رب الارباب پر بھروسہ
علی رب الارباب (نزھۃ)	رکھے۔

چنانچہ ایک بار حضرت عمر فاروق نے لوگوں کو مال تقسیم فرمایا۔ تو کاشتکاروں کو متوکلین کی فہرست میں شمار کیا۔ (نزھۃ)

ابو سلیمان دارانی فرماتے ہیں "ہمارے نزدیک عبادت یہ نہیں ہے۔ کہ خود پیر پسار کر بیٹھ جائے۔ اور دوسرا فکر معاش کرے بلکہ یہ ضروری ہے کہ پہلے دو روٹی کا بندوبست کرے پھر عبادت میں مشغول ہو۔ (نزھۃ)

اگر یوں بلا کسب اور محنت و مشقت لوگوں میں رزق تقسیم کر دیا جاتا۔ تو ہر شخص سرکشی پر آمادہ ہو جاتا اور دنیا تہ و بالا ہو جاتی چنانچہ

ارشادِ ربانی ہے۔

وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ — اگر پھیلا دیتا اللہ رزق کو اپنے بندوں کے لئے (بلا کسب اور محنت کے) تو سرکشی کرتے وہ زمین میں۔

البتہ یہ ضروری ہے۔ کہ کسب معاش کے لئے جو بھی کام کرنا چاہتا ہو۔ اس کا طور و طریق سیکھے۔ اس کے متعلق اوامر خداوندی کی تحقیق کرے۔ اور انکی بجا آوری میں سرگرم ہو۔ تب لطفِ زندگی حاصل ہو گا۔ اور حلال معاش کی حلاوت نصیب ہو گی۔

پس ضروری ہوا کہ صحیح طریق کسب کو معلوم کیا جائے۔ اور صحیح طور پر خرچ کیا جائے۔ اور حلال و حرام کا دھیان رکھا جائے

(۱) کسبِ معاش کے طریقے } معاش حاصل کرنے کے مختلف ذرائع ہوتے ہیں۔ جن میں بعض محمود اور پسندیدہ ہیں اور بعض ناپسند اور مبغوض ہیں۔ پسندیدہ طریقوں کو اختیار کرے اور ناپسندیدہ طریقوں سے اجتناب کرے۔

"تجارت" } تجارت ایک محمود مشغلہ ہے۔ اور عمدہ ذریعہ معاش ہے چنانچہ ارشادِ ربانی ہے:-

اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَ — اور اللہ نے حلال کیا بیع کو اور

حَرَّمَ الرِّبٰوا — حرام کیا سود ؛

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ راست گو تاجر قیامت میں انبیاء، وصدیقین اور شہدا وصالحین کے ہمراہ ہوگا۔ (ترمذی) نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے بعثت سے قبل خود بھی تجارت فرمائی۔ اور بعثت کے بعد اہم مشاغل کیوجہ سے خود تو تجارت نہیں فرمائی۔ لیکن صحابہ کرام کو اس کی ترغیب اور تاکید فرمائی۔ ارشاد نبوی ہے۔ "بہترین معاش ان تاجروں کی معاش ہے۔ جو بات میں جھوٹ نہیں لاتے اور امانت میں خیانت نہیں کرتے اور وعدہ خلافی نہیں کرتے۔ خریدتے وقت مال کی برائی نہیں کرتے اور بیچتے وقت تعریف نہیں کرتے یعنی جیسا مال ہوتا ہے ویسی ہی خرید وفروخت کرتے ہیں۔ گھٹاتے بڑھاتے نہیں۔ جب ان پر دوسروں کا قرض ہوتا ہے۔ تو ٹال مٹول نہیں کرتے اور جب انکا دوسروں پر قرض ہوتا ہے تو سختی نہیں کرتے (ترمذی) یہ سب تجارت کے زرّیں اصول ہیں۔ جو تجارت کو سود مند اور مقبول بناتے ہیں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ جو شخص مال تجارت لے کر دوسرے شہر میں جائے صبر

وتحمل سے کام لے۔ اور اللہ تعالیٰ سے اجر وثواب کا متوقع ہو۔ اور بازار کے نرخ پر مال کو فروخت کرے۔ وہ تاجر اللہ کے یہاں شہدا کا ہم مرتبہ ہوگا۔ پھر حضرت عبداللہ بن مسعود نے یہ آیت تلاوت فرمائی:۔

وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ	دوسرے وُہ ہیں جو پھرتے ہیں
فِى الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ	ملک میں ڈھونڈھتے ہوئے اللہ
فَضْلِ اللّٰهِ	کا رزق ؛

آیت کریمہ میں پہلے شب بیدار لوگوں کا تذکرہ تھا پھر مسافر تاجروں کو بیان کیا گیا۔ اور اس کے بعد مجاہدین فی سبیل اللہ کا تذکرہ۔ مسافر تاجر چونکہ شب بیدار عابد اور راہ مولیٰ کے مجاہد دونو خوبیوں کو حاوی تھا۔ یہ تجارت اس کے لئے عبادت بھی تھی اور سفر کی محنت ومشقت بھی۔ اس لئے اس کو وسطانی درجہ عطا کیا گیا۔

امام ابو اللیث سمرقندی بعض حکما سے نقل کرتے ہیں جس تاجر میں تین باتیں ہونگی۔ وہ دنیا اور آخرت میں سب پر ممتاز اور سرفراز رہیگا۔ اول زبان کا۔ جھوٹ فحش۔ حلف سے پاک وصاف ہونا۔ دوسرے دل کا۔ دھوکے۔ خیانت، حسد سے

پاک و صاف ہونا۔ تیسرے نفس کو تین باتوں کا معتاد رکھنا۔ جمعہ اور جماعت کی پابندی۔ کچھ وقت طلب علم اور اوامر خداوندی کی تحقیق۔ اور اللہ کی مرضیات کو ہر ماسوا پر ترجیح۔

"صنعت و حرفت" } صنعت و حرفت بھی پسندیدہ مشغلہ اور اچھا ذریعہ معاش ہے

حق سبحانہ و تعالیٰ صناع اور پیشہ ور کو پسند فرماتے ہیں۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ کوئی کھانا اس سے بہتر نہیں کہ آدمی اپنے ہاتھ سے کر کے کھائے۔ اور اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتے تھے (از حصن حصین البخاری) چنانچہ بلشتر انبیاء کرام نے دستکاری کو اختیار کیا۔ اور حق سبحانہٗ تعالےٰ نے صنعت و حرفت کو اپنے محبوب رسولوں کا ذریعہ معاش بنایا۔

حضرت ابن عباس سے مروی ہے۔ کہ حضرت آدم علیہ السلام کاشتکاری کرتے تھے۔ اور حضرت نوح علیہ السلام تجاری کرتے تھے۔ اور حضرت ادریس علیہ السلام خیاطی کرتے تھے۔ اور حضرت ابراہیم اور حضرت لوط علیہما السلام زراعت کرتے تھے اور حضرت صالح علیہ السلام تجارت کرتے

تھے۔ اور حضرت داؤد علیہ السلام ذرہ سازی کرتے تھے
اور حضرت موسے علیہ السلام اور حضرت شعیب علیہ السلام
اور سید الانبیاء والمرسلین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم
بکریاں چراتے تھے (نزھہ)

یہ ان مقدس ہستیوں کے ذرائع معاش ہیں جو روئے زمین پر بزرگ ہستیاں تھیں۔ اللہ کے محبوب ترین بندے اور برگزیدہ رسول تھے۔ اور ساری مخلوق کے سرتاج مقتدا اور پیشوا تھے پس جس صنعت کو بھی انسان اختیار کریگا۔ وہ ان انبیاء کرام کا اتباع شمار ہوگا۔ اور پسندیدہ ہوگا بشرطیکہ غل وغش سے خالی ہو۔ اور مکر وفریب سے پاک وصاف ہو۔ اسی لئے سلف صالحین اور آئمہ مجتہدین نے مختلف پیشوں کو اختیار کیا۔ اور اپنا ذریعہ معاش بنایا۔ اور مخلوق سے بے نیاز ہوکر ان کی خدمت کی۔ اور آزادانہ خود مختارانہ زندگی بسر کی۔ تب دینِ حق عالم میں پھیلا اور پھلا۔ اور ہمیشہ اغراض پرستی سے محفوظ رہا۔

"زراعت" زراعت بھی ایک اچھا مشغلہ ہے۔ انبیاء کرام کا اختیار کردہ ہے۔ مگر اخلاق وعادات کو خراب وخستہ کرتا ہے۔ اور انسان کو غیر محتاط بناتا ہے۔

اس لئے ذرا ہوشیاری، بیدار مغزی، اور احتیاط کی ضرورت پڑتی ہے۔ اگر احتیاط اور حسن تدبیر سے کام لے۔ تو پھر ہر صورت میں اجر و ثواب ہے۔

رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ جو مسلمان کھیتی کرے یا زراعت کرے۔ اور اس میں سے کوئی انسان یا پرندہ یا جانور کچھ کھالے یا کوئی چوری کر لے۔ تو اس کو صدقہ و خیرات کا اجر و ثواب ملے گا۔ (ترمذی)

نیز زراعت در طلب ہمت شکن صبر آزما سخت محنت و مشقت کا کام ہے۔ لیکن چونکہ مخلوق کی خدمت ہے۔ اس لئے محبوب ہے۔ اسی وجہ سے امیر المومنین حضرت عمر رضؓ فاروق مزارعین کو متوکلین کی فہرست میں شمار کیا کرتے تھے اور فرماتے تھے۔ اصل توکل یہی ہے۔ کہ دانہ زمین پر بکھیر دیا جائے اور اللہ پر بھروسہ کر کے بیٹھے رہیں۔

اُجرت (ملازمت) یہ بہت ہی کٹھن اور دشوار گذار مشغلہ ہے۔ اور بڑی ذمہ داری کا کام ہے۔ دوسرے کے حقوق متعلق ہوتے ہیں۔ ہر وقت محتاط اور کام میں چست و چالاک رہنا پڑتا ہے۔ ذرا بے توجہی

اور لاپرواہی سے آخرت کے مواخذہ اور عتاب و عذاب کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اور ذرا سی سستی سے دنیا اور آخرت دونوں خراب ہوتی ہیں۔ نیز اپنے جیسے انسان کی محکومی غلامی اور زیردستی ہے جو انسان کی خودداری، وضع داری اور آزادی کے منافی ہے لیکن اگر احتیاط اور ہمّت سے کام لے اور دیانتداری اور امانتداری کو اپنا شعار بنا لے تو پھر سراسر خیر ہے۔ ارشاد نبویؐ ہے

المملوک الذی یحسن عبادۃ ربہ و یؤدی الی سیدہ الذی الیہ من الحق والنصیحۃ والطاعۃ لہ اجران

جو غلام اپنے پروردگار کی بندگی اچھی طرح کرے اور اپنے آقا کے حقوق ادا کرے اور خیرخواہی اور فرمانبرداری کرے۔ اس کے لئے دوہرا اجر و ثواب ہے۔

نوکری نوکری سب برابر ہیں۔ چاہے دس روپیہ ماہوار تنخواہ ملتی ہو یا دس ہزار۔

۲۔ "معیشت میں سادگی اور عمدگی"

کفایت شعاری اور آمد و خرچ کا عمدہ نظم عقل و دانائی کی بات ہے جس سے انسان کا حسن سلیقہ اور شائستگی معلوم ہوتی ہے۔ اور ہمیشہ راحت و آرام کے ساتھ

باعزّو وقار زندگی بسر کرتا ہے۔ ہر نوع کے اخراجات میں میانہ روی اور درمیانی راہ اختیار کی جائے۔ نہ زیادہ تنگدستی برتی جائے جس سے لوگوں میں بے توقیری ہو۔ نہ حد سے زیادہ فراخدلی اور کشادہ دستی کا مظاہرہ کیا جائے جس سے پریشانیوں کا سامنا ہو۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے۔

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ	اور نہ رکھ اپنا ہاتھ بندھا ہوا اپنی
مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا	گردن کے ساتھ۔ اور نہ کھول دے
تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ	اس کو پورا کھولنا۔ پھر تو بیٹھ رہے
مَلُومًا مَّحْسُورًا	الزام کھایا ہُوا۔ ہارا ہُوا ۔

خرچ میں حدّ اعتدال سے کمی تنگدلی کی علامت ہے جو مذموم عادت ہے۔ ارشاد ربّانی ہے:۔

وَمَن يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ	اور جس کو بچا دیا اپنے جی کی تنگی سے
فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ	سو وہ لوگ ہیں فلاح یاب ۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ تم تنگدلی سے بچو اس لئے کہ تنگدلی نے تم سے پچھلی قوموں کو ہلاک کیا ہے۔ تنگدلی نے اُن کو خونریزی پر برانگیختہ کیا۔ پھر محرمات میں مبتلا ہو گئے (نزھۃ عن مسلم)

اور حد اعتدال سے زیادتی اسراف اور تبذیر ہے جو ناپسندیدہ

اور ممنوع ہے اور شیطانی خصلت ہے ارشادِ ربّانی ہے :-

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ — بے شک اللہ ناپسند کرتا ہے

الْمُسْرِفِیْنَ — اسراف کرنیوالوں کو ،

دوسری جگہ ارشاد ہے :-

اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ کَانُوْٓا — بیشک بے جا خرچ کرنے والے

اِخْوَانَ الشَّیَاطِیْنِ — شیطانوں کے بھائی ہیں ،

پس ضروری ہے کہ ہر کام میں اعتدال پر قائم رہے ۔ اور میانہ روی اختیار کرے ۔ نہ ضرورت کے وقت تنگی کرے ۔ اور نہ بے ضرورت اور بے جگہ خرچ کرے ۔ یہی اعتدال پسندی اور میانہ روی اصل حسن وخوبی اور عمدگی اور شائستگی ہے ۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ۔ قیامت میں پانچ چیزوں کا ضرور سوال ہوگا ۔ ان میں سے دو یہ ہیں ۔ مال کس طرح حاصل کیا اور کس طرح خرچ کیا ۔ (ترمذی) نیز ارشاد فرمایا ۔ مال عمدہ شے ہے ۔ اگر اس کو اچھے طریق سے حاصل کیا جائے اور اچھی جگہ خرچ کیا جائے ۔ تو یہ بہترین معاون و مددگار ثابت ہوگا ۔ (بخاری و مسلم) نیز ارشاد فرمایا ۔ اللہ تعالےٰ مال کی

اضاعت کو ناپسند فرماتے ہیں (بخاری و مسلم) اور اسراف و اضاعت سے بچنے کا طریق خرچ کرنے میں میانہ روی اور اعتدال ہے۔ چنانچہ ارشاد نبوی ہے اعتدال و میانہ روی کے ساتھ خرچ کرنا نصف کمائی ہے۔ (اس لئے کہ اس سے آدھی بچت ہوتی ہے۔) اور جو شخص اعتدال سے خرچ کرے گا وہ کبھی محتاج نہ ہوگا۔ اور ضرورت سے زیادہ خرچ کرنا اور فضول اڑانا مال و دولت کو ختم کر دیتا ہے۔ اور انجام کار انسان کو مفلس و محتاج بنا دیتا ہے۔

"کھانا پینا" کھانے پینے میں اعتدال سے کام لینا چاہیئے اور حد سے تجاوز نہ کرنا چاہیئے! ارشاد ربانی ہے

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا	کھاؤ اور پیو اور نہ حد سے بڑھو۔
تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ	بے شک اللہ ناپسند رکھتا ہے
الْمُسْرِفِيْنَ	حد سے بڑھنے والوں کو ؎

کھانے پینے میں بے اعتدالی صحت جسمانی کو برباد کرتی ہے۔ دماغ کو پراگندہ کرتی ہے۔ خیالات کو خراب و خستہ بناتی ہے اور مال و دولت کو ضائع کرتی ہے۔

ابو سلیمان دارانی فرماتے ہیں۔ انسان زیادہ کھانے سے

چھ آفتوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ عبادت کی حلاوت مفقود ہو جاتی ہے۔ فہم و فراست کم ہو جاتی ہے۔ مخلوق پر شفقت نہیں رہتی ہر ایک کو اپنی طرح شکم سیر سمجھتا ہے۔ عبادت میں گرانی اور سستی محسوس ہونے لگتی ہے۔ شہوت میں زیادتی ہو جاتی ہے۔ اور آوارگی بڑھ جاتی ہے۔ لوگ مسجدوں میں جاتے ہیں اور یہ چکلوں میں پھرتا ہے۔ اسی وجہ سے زیادہ پیٹ بھرنے کی ممانعت آئی ہے۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ سوائے پیٹ کے کوئی ظرف بھرا ہوا برا معلوم نہیں ہوتا۔ انسان کو چند لقمے زندہ رہنے کے لئے کافی ہیں۔ اگر ان پر صبر نہ ہو۔ تو تہائی پیٹ کھانے کے لئے اور تہائی پانی کے لئے۔ اور تہائی سانس لینے کیلئے۔ اس سے زیادتی مناسب نہیں۔ (نزہۃ) نیز ارشاد فرمایا۔ خدا تعالے کو وہ شخص بہت ناپسند ہے۔ جو بہت سونے والا اور بہت کھانیوالا اور بہت زیادہ پینے والا ہو (نزہۃ) پس چاہئیے۔ کہ اعتدال کے ساتھ کھائے اور پیئے۔ اور سادہ لطیف غذا کھائے اور رازق حقیقی کی حمد و ثنا کرے۔ اور شکر گذاری بجالائے۔ ارشاد ربانی ہے:

یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ‏ اے ایمان والو کھاؤ بہترین

كُلُوْا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ — چیزیں جو تم کو روزی دی ہم نے
وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ — اور شکر کرو اللہ کا اگر تم اسی کے
تَعْبُدُوْنَ — بندے ہو۔

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ جو شخص کھانا کھائے۔ اور پھر کہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ — حمد و ثنا۔ اس خدا کی جس نے
اَطْعَمَنِيْ هٰذَا وَرَزَقَنِيْهِ — کھانا کھلایا۔ اور بے محنت و مشقت
مِنْ غَيْرِ حَوْلٍ مِّنِّيْ وَلَا قُوَّةٍ — رزق عطا کیا۔

تو اس کے تمام سابقہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں (از معاذ عن ابی داؤد، ترمذی)

اسی طرح کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھنی چاہیئے۔ اس سے خیر و برکت ہوتی ہے۔ اور شیطانی اثرات دُور ہوتے ہیں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس کھانے سے پہلے بسم اللہ نہ پڑھی جائے۔ اس میں شیطان شریک ہو جاتا ہے پس ذرا سی جنبش لب اور حمد و ثنا اور تسمیہ کی وجہ سے کھانا پینا، مستحسن ہو گیا۔ اور عبادات میں داخل ہو گیا

"لباس"۔ لباس میں بھی سادگی و صفائی ہو لیکن قیمتی اور گرانبار

نہ ہو۔ ارشادِ ربانی ہے۔

وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ — اور اپنے کپڑے پاک رکھا کر اور پلیدی کو چھوڑ دے۔

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ سفید کپڑا پہنا کرو وہ پاکیزہ صاف و ستھرا ہوتا ہے۔" لباس نہ اتنا خستہ و خراب ہو۔ کہ دوسرے نفرت کریں۔ اور نہ اتنا اعلیٰ اور قیمتی ہو۔ کہ نمایاں نظر آئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں قسم کے لباس سے منع فرمایا ہے۔ نہ بہت قیمتی ہو۔ اور نہ بالکل بے قیمت اور حقیر ہو۔ اور ارشاد فرمایا۔ جو شخص شہرت اور نام و نمود کے لئے کپڑا پہنے گا۔ وہ روز حشر ذلیل و خوار ہو گا۔ (ترجمہ) کپڑا تن ڈھکنے کے لئے ہوتا ہے۔ اور تن پوشی کا حکم حق تعالےٰ نے فرمایا ہے۔ اسی حیثیت سے اس کو استعمال بھی کرنا چاہیئے۔ اور اس نعمت پر شکر گذار ہونا چاہیئے۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے اس انعام کا ذکر فرمایا۔ ارشاد ہے۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ؕ — اے اولاد آدم! ہم نے اتاری تم پر پوشاک کہ ڈھانکے تمہارے عیب اور رونق۔

حضرت ابن عباس کا ارشاد ہے "اچھا کھاؤ اور اچھا پہنو" مگر دو باتوں سے احتراز کرو۔ ایک اسراف اور فضول خرچی دوسرے عجب اور بڑائی" کپڑا پہننے پر بھی حق تعالےٰ کی حمد و ثنا کرے اور شکر بجالائے اور کہے:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ	حمد و ثنا اس خدا کے لئے جس
کَسَانِیْ ھٰذَا وَرَزَقَنِیْہِ	نے مجھ کو یہ کپڑا عطا کیا۔ اور
مِنْ غَیْرِ حَوْلٍ مِّنِّیْ وَلَا	بے محنت و مشقت کے عطا کیا۔
قُوَّۃٍ ط	

حضور اقدس نے ارشاد فرمایا ہے۔ جو شخص کپڑا پہنتے وقت یہ دعا پڑھے۔ اس کے تمام سابقہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں (ترمذی)

لباس وہی پسندیدہ اور مرغوب ہے جو صلحاء امت کا لباس ہو اور عام مسلمانوں کی پوشش ہو۔ غیر مسلموں کا لباس اور طور طریق اختیار کرنا کسی طرح بھی گوارا نہیں ہے۔ ارشاد نبوی ہے:۔

مَنْ تَشَبَّہَ بِقَوْمٍ فَھُوَ	جو شخص کسی قوم کی مشابہت اختیار
مِنْھُمْ	کرتا ہے وہ انہیں میں شمار ہوتا ہے۔

اسی طرح مردوں کو زنانہ لباس پہننا اور عورتوں کو مردانہ

لباس پہننا ممنوع اور قبیح ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مردوں کو لعنت فرمائی ہے جو عورتوں کے مشابہ لباس پہنیں۔ اور ان عورتوں کو بھی لعنت فرمائی ہے جو مردوں کے مشابہ لباس پہنیں (بخاری)

اور یہ بات ہے بھی عقل اور دانائی کے خلاف کہ اپنی تمکنت اور رفعت وہیبت کو چھوڑ کر زنانہ پن اختیار کرے اور مخنث بنیں۔ اسی طرح عورتیں اپنے مردوں کے لئے زیب وزینت ہیں۔ ان کے لئے کسی طرح یہ روا نہیں۔ کہ وہ اپنی نزاکت ولطافت اور حسن وخوبی کو خیر باد کہہ کر مردانہ روش اختیار کریں۔

"مکان" مکان اور طرزِ رہائش میں بھی اصل چیز سادگی اور صفائی وستھرائی ہے۔ سادگی ہر جگہ زیب دیتی ہے۔ اور انسان کو ہر خرابی اور پریشانی سے محفوظ رکھتی ہے خواہ مخواہ گرانبار ہونا کسی حال میں بھی عقلمند کو زیبا نہیں۔ جو جگہ عارضی سکونت کے لئے ہے۔ اس کو اسی حیثیت سے رکھنا مناسب ہے۔ بے ضرورت، بلاوجہ عالیشان عمارت بنانا اپنی پونجی کو گارے مٹی میں برباد کرنا، پھر حسرت ویاس کے ساتھ اس کو چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہونا دانائی کی بات نہیں۔

چنانچہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "جب خدا تعالےٰ کسی بندہ کے حق میں برائی چاہتے ہیں۔ تو اس کی پونجی کو اینٹ و گارے میں ضائع کرا دیتے ہیں۔ (بستان) دوسری روایت میں ہے "جو شخص کفایت سے زیادہ عالیشان عمارت بنائے گا۔ روزِ حشر اس عمارت کو اس کی گردن پر رکھا جائے گا۔ اس لئے بہتر یہ ہے۔ کہ ان کاموں میں خرچ کرنا چاہیئے جو ساتھ جانے والے ہیں اور ہمیشہ کام آنے والے ہیں۔ لیکن ضرورت کے بقدر اور اہل و عیال کی آسائش کی خاطر مکان بنانا معیوب بھی نہیں۔ اس لئے کہ حق تعالےٰ نے اس کو اپنا انعام و احسان بتلایا ہے۔ ارشاد ہے۔

تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا	بناتے ہو نرم زمین میں محل اور تراشتے
قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ	ہو پہاڑ دل کے گھر۔ سو یاد کرو
بُيُوْتًا فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ	احسان اللہ کے۔

مکانات اور محلّات کو نعمائے خداوندی میں شمار کیا گیا ہے اور انعام خداوندی قبیح اور مذموم نہیں ہوسکتا۔ ارشاد ربانی ہے

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ	تو کہہ کس نے منع کی ہے۔ رونق
اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ	اللہ کی جو پیدا کی اس نے اپنے

وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ۔ بندوں کے واسطے اور ستھری چیزیں
قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۔ کھانے کی۔ تو کہہ وہ ہے واسطے ایمان
فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً ۔ والوں کے دنیا کی زندگی میں۔ نری
يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ط ۔ ان کی ہے قیامت کے دن +

محمد بن سیرین محدث کے صاحبزادے نے ایک مکان بنایا اور اس پہ کافی روپیہ خرچ کیا۔ محمد بن سیرین سے جب اس کے متعلق ذکر کیا گیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ اس میں کچھ مضائقہ نہیں کہ آدمی اپنی راحت کے لئے اپنی منشا کے موافق عمارت بنائے

فقیہہ ابو اللیث سمرقندیؒ فرماتے ہیں۔ بہتر یہ ہے۔ کہ انسان اپنی پونجی کو امورِ آخرت میں خرچ کرے۔ اگر دنیاوی کاموں میں خرچ کرے اور اچھی عمارت بنائے عمدہ پوشاک خریدے۔ تو یہ بھی ممنوع نہیں بشرطیکہ تین باتوں کا پابند رہے۔ اوّل یہ کہ مال کو حرام اور مشتبہ طریق سے حاصل نہ کیا جائے۔ دوسرے یہ کہ کسی مسلم اور غیر مسلم پر ظلم و تعدی، حق تلفی اور ناانصافی نہ ہو۔ تیسرے یہ کہ فرائض خداوندی اور سنت نبوی کی پوری پابندی ہو (بستان)

کرایہ کیلئے مکانات اور دکانات بنانا مذموم نہیں۔ بلکہ کسب

معاش میں داخل ہے۔ اور اگر اس سے مقصود دوسروں کی راحت رسانی اور حاجت روائی ہو۔ تو عبادت ہے۔ اور اجر و ثواب کا ذریعہ ہے۔ اپنی رہائش کے لئے تعمیر مکان پر کسی قسم کا اجر و ثواب نہیں۔ البتہ اگر نیت صالح ہو مقصد نیک ہو منشا نام و نمود نہ ہو تو کوئی مواخذہ بھی نہیں۔ انشاء اللہ۔

(۳) "رزق حلال کی جُستجو اور رزقِ حرام سے پرہیز"

انسان اپنی نادانی اور ناواقفیت کی وجہ سے حقائق اشیاء اور ان کے منافع اور مقاصد سے پُورے طور پر واقف کار اور تجربہ کار نہیں پس حق سبحانہٗ وتعالےٰ نے اپنے فضل اور لطف و کرم سے مفید اور غیر مفید، نافع اور مضر اشیاء کو جُدا جُدا کر دیا۔ مفید اور سودمند اشیاء کو اپنے بندوں کے لئے حلال اور پاکیزہ قرار دیا۔ اور غیر مفید اور مضر اشیاء کو حرام اور گندہ قرار دیا۔ تاکہ حلال اُمور کو اختیار کر کے پاکیزگی حاصل کرنے کا فائدہ اور نفع اٹھائے۔ اور حرام چیزوں میں مبتلا ہو کر گندگی میں آلودہ نہ ہو۔ اور نقصان و خسارہ نہ اٹھائے۔ مقصد بنی نوع انسان کیلئے تنگی اور دشواری نہیں۔ بلکہ انکی پاکیزگی، ترقی اور خیر خواہی مطلوب ہے

ارشادِ ربانی ہے:۔

مَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیَجْعَلَ عَلَیْکُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰکِنْ یُّرِیْدُ لِیُطَہِّرَکُمْ وَلِیُتِمَّ نِعْمَتَہٗ عَلَیْکُمْ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ ط

اللہ نہیں چاہتا۔ کہ تم پر تنگی کرے۔ لیکن چاہتا ہے۔ کہ تم کو پاک کرے۔ اور پورا کرے اپنا انعام تم پر۔ تاکہ تم احسان مانو اور شکر ادا کرو۔

اسی وجہ سے انسان کو طیّبات اور حلال چیزوں کے استعمال کا حکم دیا گیا۔ اور خبیثات اور حرام چیزوں سے روکا گیا۔ تاکہ اس کی طبیعت کی پاکیزگی۔ اور رُوح کی لطافت و تازگی برقرار رہے، اور کمالِ انسانی سے پورے طور پر لطف اندوز ہو۔ ارشادِ ربّانی ہے:۔

یٰٓاَیُّھَا الرُّسُلُ کُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا

اے رسولو کھاؤ ستھری چیزیں اور کام کرو بھلا

دُوسری جگہ ارشاد ہے:۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰکُمْ

اے ایمان والو کھاؤ ستھری چیزیں جو تم کو روزی دی ہم نے

عمل صالح اور نیک کرداری اسی وقت اپنا رنگ لاتی ہے

جب انسان پاکیزگی سے آراستہ ہو۔ گندگیوں سے پاک وصاف ہو۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:۔

مَنْ اَکَلَ حَرَامًا — جو شخص حرام مال کھاتا ہے۔ اس

لم یقبل منہ صرف — کی نہ نفلی عبادت قبول ہوتی ہے

ولا عدل (نزھۃ) — اور نہ فرض عبادت قبول ہوتی ہے۔

دوسری حدیث میں ہے جو شخص حرام مال کماتا ہے۔ جو کچھ اس میں سے صدقہ وخیرات کرتا ہے۔ وہ نامقبول ہوتا ہے۔ اور جو کچھ خرچ واخراجات کرتا ہے۔ اس میں خیر وبرکت نہیں ہوتی۔ اور جو کچھ چھوڑ کر مرتا ہے وہ دوزخ کا ذریعہ ہوتا ہے (نزھۃ)

اور جو جسم حرام سے پرورش پائے۔ وہ آگ کے زیادہ مناسب ہے۔ (نزھۃ) جو شخص اپنی کمائی میں حرام وحلال کی پرواہ نہیں کرتا۔ حق تعالےٰ بھی لاپرواہی سے اس کو دوزخ میں ڈال دیتے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں جب پیٹ میں لقمہ حرام موجود ہو۔ اس کی نماز قبول نہیں ہو سکتی (نزھۃ)

پس مومن کی شان یہ ہے۔ کہ وہ حلال کی طلب اور جستجو میں سرگرم اور سرگرداں ہو۔ اور حرام سے بالکل احتراز اور اجتناب کرے۔

۱۰۔ "دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کا شوق"

جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے

دنیا ایک عبرت گاہ ہے اور دنیاوی ساری زندگی کھیل و تماشا۔ ہر انسان اس تماشہ گاہ میں آتا ہے۔ اور چند لمحات مناظر قدرت اور کھیل تماشا دیکھ کر رخصت ہو جاتا ہے۔ مگر اس قدر حواس باختہ اور مدہوش بن جاتا ہے۔ کہ اس تماشا کو بھی حقیقت سمجھنے لگتا ہے۔ اور فریب نگاہ میں مبتلا ہو کر حقیقت کو فراموش کر دیتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:-

اِعْلَمُوْا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِى الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ؕ

جان لو کہ دنیا کی زندگی یہی ہے کھیل اور تماشا اور بناؤ اور بڑائیاں کرنی آپس میں اور زیادتی ڈھونڈنی مال میں اور اولاد میں

اس تماشہ گھر میں یہی مناظر دکھلائے جاتے ہیں۔ لہو ولعب زیب و زینت، فخر و مباہات، مال و دولت کی فراوانی، اور اعوان کی کثرت اور انہیں میں دل پھنسا کر فریفتہ اور دلدادہ بن

کہ انسان بھول جاتا ہے۔ کہ یہ سب کچھ امتحان اور ابتلا کے لئے ہے۔ دائمی نہیں صرف چند روزہ ہے۔ حقیقت نہیں محض فریب نفس ہے۔ جیساکہ ارشاد ہے۔

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ

اور نہیں ہے دنیا کی زندگی۔ مگر دغا کی پونجی۔ تاکہ تم آزمائے جاؤ مال سے اور جان سے ۔

دنیا کی زندگی چند روزہ ہے۔ عارضی ہے اور بہت جلد ختم ہونے والی ہے۔ اور اس کے بعد سابقہ اس زندگی سے پڑیگا۔ جو حقیقی زندگی ہے۔ دائمی ہے اور ابدالآباد تک رہنے والی ہے۔ جس کے مقابلہ دنیوی زندگی ایک بے حقیقت وقفہ ہے۔ زندگی نام ہے ایک وقفہ کا۔ یعنی آگے چلیں گے دم لیکر

ارشاد ربانی ہے۔

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ

اور نہیں ہے دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلہ میں مگر تھوڑی سی

پس یہ دنیا اصلی ٹھکانا اور اپنا گھر نہیں۔ عارضی قیام گاہ ہے۔ ایک راہرو کی درمیانی منزل اور راستہ کا سٹیشن ہے اسی حیثیت سے اور اسی کے بقدر اس سے تعلق وابستگی اور

دلبستگی ہونی چاہیئے۔ چنانچہ ارشاد نبوی ہے:۔

کن فی الدنیا کانک — دنیا میں اس طرح زندگی گذار۔

غریب او عابر سبیل (ترمذی) — گویا کہ تو پردیسی ہے یا راہ رَو۔

نیز ارشاد فرمایا۔ کہ میری مثال دنیا میں مسافر سوار جیسی ہے کہ درخت کے سایہ میں آرام کے لئے اترا۔ اور پھر درخت اور جگہ کو چھوڑ کر چل دیا۔ (ترجمہ از ترمذی) نادان تر ہے وہ شخص جو راستہ کے خوشنما دلفریب مناظر میں پھنس کر انہیں کا ہو رہے اور اصلی گھر کو بھول جائے۔ اس کا گھر بار سب برباد اور ویران ہوگا۔ اور انجام کار افسوس اور حسرت ہوگی۔ اسی لئے ارشادِ نبوی ہے:۔

حب الدنیا راس کل — دنیا کی محبت تمام خطاؤں کی سردار

خطیئۃ (ترمذی) ہے۔

یہ ایک جرم اپنے تمام لواحقین کو کھینچ لیتا ہے۔ اور انسان کو ہر جرم کا مرتکب بنا دیتا ہے۔

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ جو شخص دنیا کو محبوب رکھتا ہے اس کی آخرت کی زندگی خراب ہوتی ہے اور جو شخص آخرت کو محبوب رکھتا ہے اس کی دنیاوی زندگی

خراب ہوتی ہے۔ تو تم اس فنا ہونے والی زندگی پر اس زندگی کو ترجیح دو۔ جو دائمی اور ہمیشہ باقی رہنے والی ہے (ترجمہ)

ارشادِ نبوی ؐ ہے:۔

الدنیا سجن المومن — دنیا مومن کے لئے جیل خانہ ہے

وجنۃ الکافر — اور کافر کیلئے باغ وبہار ہے

دنیا دو حیثیت سے مومن کے لئے قید و بند اور کافر کے لئے باغ و بہار ہے۔ اوّل یہ کہ مومن یہاں ہر طرح پابند ہے۔ اوامرِ خداوندی کی بجا آوری پر مجبور ہے۔ نیک روی اور نیک کرداری کا مامور ہے اور کافر ہر طرح آزاد ہے۔ دوسرے یہ کہ بہشت کی نعمتوں اور لذتوں کے مقابلہ میں دنیاوی تمام لذات ہیچ، حقیر اور قابلِ نفرت ہیں۔ اور یہاں کی ساری زندگی قید و بند سے کم نہیں۔ اور کافر کے لئے چونکہ آخرت میں دُکھ درد اور عذاب الیم ہے۔ اس لئے اس کے لئے یہی زندگی باغ و بہار اور عیش و آرام ہے اور بس۔

پس عقل و دانائی کا اصلی تقاضا اور ایمان و اسلام کا صحیح تقاضا یہ ہے۔ کہ انسان جب تک بھی دنیا میں رہے۔ اس کو برتے۔ اور خوب اچھی طرح استعمال کرے۔ مگر اس سے اور اس کی چیز

سے دل نہ لگائے۔ اور تعلق خاطر پیدا نہ کرے۔ دل کا لگاؤ اور تعلق خاطر صرف آخرت کی زندگی سے ہو۔ ہر وقت وہیں کا شوق اور ولولہ دل میں موجزن ہو۔ اور ہر موقع پر آخرت کی زندگی اور وہاں کی نعمتوں کو دنیاوی زندگی اور عارضی لذات پر ترجیح دے اور آخرت کو ہر حال میں مقدم اور مقصود بنائے رکھے۔

جس شخص میں دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کا شوق ہو گا۔ لامحالہ اس میں دو خوبیاں نمایاں ہونگی۔ طاعات سے رغبت اور معاصی سے نفرت جب یہ دونوں خوبیاں راسخ ہوں گی۔ اور طاعت کی رغبت اور معاصی سے نفرت طبعی جذبہ اور فطری تقاضا ہو جائے گی تب انسانیت کے اصلی جواہر اور کمالات ظاہر ہوں گے۔ ملائکہ قدس کے ساتھ مشابہت حاصل ہو گی۔ اور یہ گندہ و پراگندہ انسان تقرب خداوندی سے سرفراز ہو گا۔ اور ملاء اعلےٰ تک رسائی حاصل ہو گی۔ اور دین کی نعمتوں سے مالامال، کامیاب، فلاح یاب ہو گا۔ ارشاد ربانی ہے:۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا	مراد کو پہنچا جس نے اسکو سنوارا۔
وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا ؕ	اور نامراد ہوا جس نے اس کو خاک میں ملایا

۱۔ "طاعات سے رغبت" } انسان کا اصلی جوہر اور اعلیٰ کمال یہ ہے۔ کہ وہ اپنے مالک اور خالق جل جلالہ کی رضا جوئی اور فرمانبرداری میں ہر وقت منہمک اور سرگرم رہے۔ اور یک سر مُو روگردانی اور حکم عدولی نہ کرے یہی بندگی کا حق ہے اور یہی انسانیت کا تقاضا ہے۔ اور یہی انسانی کمال ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا
اور جس نے اطاعت کی اللہ کی اور اس کے رسول کی پس کامیاب ہوا بڑی کامیابی

اور اللہ اور رسول کی طاعت کوئی جدا گانہ امر نہیں۔ بلکہ ایک ہی بات ہے۔ ارشاد ربانی ہے:۔

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ط
جس نے اطاعت کی رسول کی اس نے طاعت کی اللہ کی۔

قرآن حکیم میں جگہ جگہ خدا اور رسول کی اطاعت کی ترغیب اور تاکید اسی لئے کی گئی۔ کہ انسان کی فوز و فلاح، کامیابی اور کامرانی اور سرفرازی صرف اسی ایک مرکز سے وابستہ ہے آخرت بھی اسی سے درست ہوتی ہے۔ اور دنیاوی زندگی بھی اسی سے کامیاب ہوتی ہے۔ دارین کی سرسبزی۔ شادابی،

کامرانی اور سرفرازی اسی پر توقف ہے۔ اس لئے کہ تمام اوامر خداوندی برامر عدل و انصاف۔ حق و احسان پر مبنی ہیں۔ اور جن امور سے انسان کو روکا گیا ہے۔ وہ وہی ہیں جو انسانیت اور شرافت پر بدنما داغ ہیں۔ جن کی گندگی اور برائی آشکارا اور مسلم ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ	اللہ حکم کرتا ہے انصاف کا اور
الْاِحْسَانِ وَاِیْتَاءِ ذِی	بھلائی کا اور دینے کا رشتہ داروں
الْقُرْبٰی وَیَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ	کو اور منع کرتا ہے بےحیائی سے اور
وَالْمُنْکَرِ ۔	نامعقول کام سے ۔

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالےٰ نے تمہارے لئے کچھ فرائض مقرر کئے ہیں۔ ان کو ضائع مت کرو اور کچھ حدود مقرر کی ہیں۔ ان سے تجاوز مت کرو۔ اور کچھ چیزوں کو حرام کیا ہے ان سے پرہیز کرو اور بعض چیزوں سے سکوت کیا ہے بھول کی وجہ سے نہیں۔ بلکہ تم پر رحم کھا کر پس تم بھی ان سے تعرض نہ کرو (تر جمان السنّۃ)

جب حق تعالےٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری کی جاتی ہے تو وہ خوش ہوتے ہیں اور جب خوش ہوتے ہیں۔ تو خیر و برکت

فرماتے ہیں جس کی کوئی حد و انتہا نہیں۔ اور جب نافرمانی ہوتی ہے تو ناراضگی ہوتی ہے۔ اور لعنت و پھٹکار نازل ہوتی ہے حضرت ابو درداء سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ حق تعالےٰ ارشاد فرماتے ہیں میں بادشاہوں کا مالک ہوں۔ ان کے قلوب میرے ہاتھ میں ہیں۔ جب بندے میری اطاعت کرتے ہیں تو بادشاہوں کے دلوں میں رحمت و شفقت ڈال دیتا ہوں۔ اور جب بندے میری نافرمانی کرتے ہیں۔ تو بادشاہوں کے دلوں میں غضب اور عقوبت ڈال دیتا ہوں۔ پھر وہ ہر طرح کی سختی کرتے اور اذیت پہنچاتے ہیں۔ (حیواۃ از ابو نعیم)

نیز ارشاد فرمایا جو شخص اپنے ہر کام میں اللہ کی اطاعت کرتا ہے۔ وہ ہر وقت ذاکر ہے اور ذکر اللہ میں مشغول ہے۔ اگرچہ اس کی نماز اور روزہ اور تلاوت قرآن کم ہو۔ اور جو شخص اللہ کی نافرمانی کرتا ہے۔ وہ پورا غافل ناعاقبت اندیش ہے۔ اگرچہ اس کی نماز اور روزہ اور تلاوت قرآن زیادہ ہو (ترجمہ)

پس دُور اندیشی، بیدار مغزی اور عاقبت اندیشی کا تقاضا یہی ہے۔ کہ ہر وقت اطاعت خداوندی میں سرگرم اور سرشار رہے

اور کوئی کام خلاف شرع سرزد نہ ہو۔ یہی اصل بندگی ہے۔ اور اسی سے لطفِ زندگی ہے۔ حضرت لقمان حکیم نے وفات کے وقت اپنے صاحبزادے سے فرمایا۔ بیٹا میں نے تمہیں ہمیشہ نصیحت کی۔ اب چھ باتوں کی وصیت کرتا ہوں۔ جو جملہ علوم کو حاوی ہیں۔ اوّل جس قدر عمر یقینی طور پر باقی رہ گئی۔ اسی کے بقدر دنیا میں مشغول ہونا چاہیئے۔ دوسرے جسقدر تجھ کو خدا کی احتیاج ہے اسی قدر اس کی فرمانبرداری بھی کرنی ضروری ہے تیسرے جس قدر آخرت میں ٹھہرنا ہے۔ اسی قدر وہاں کی تیاری اور سامان بھی کرنا چاہیئے۔ چوتھے جب تک دوزخ سے خلاصی کا یقین نہ ہو جائے۔ اس وقت تک برابر رہائی کی کوشش کرنی چاہیئے۔ پانچویں جس قدر عذاب جہنم برداشت ہو سکے اسی قدر نافرمانی کی جرائت کی جائے۔ چھٹے اگر خدا کی نافرمانی کا ارادہ ہو۔ تو ایسی جگہ اور ایسی طرح کرے کہ نہ خداتعالٰے دیکھ سکے اور نہ فرشتے اس سے باخبر ہو سکیں (نزہۃ)

۲۔ معاصی سے نفرت

تعصی الالٰہ وانت تظہر حبہ ۔۔۔ ان ھذا لفی الفعال عجیب

(خدا کی نافرمانی بھی اور خدا کے ساتھ اظہار تعلق بھی - درحقیقت یہ عجیب و غریب بات ہے)

خدا کی خدائی اور یکتائی کا معترف ہونا، اس کی حکومت اور تسلّط کو تسلیم کرنا اور بیچارگی کا اقرار کرنا اور پھر بھی نافرمانی اور معصیت پر جرأت و ہمت کرنا بھی ایک مضحکہ خیز عجوبہ ہے اور انتہائی جرأت و بیحیائی اور بے غیرتی ہے۔ محسن اور مربّی کے الطاف و انعامات سے ہر وقت اور ہر آن پرورش پانا اور اس کے اوامر اور احکامات کو ٹھکرانا انتہائی ناقدری اور ناشکری ہے۔ اور سراسر گمراہی اور بدراہی ہے۔ ارشاد ربّانی ہے :-

وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا	اور جس نے نافرمانی کی اللہ کی اور اس کے رسول کی - گمراہ ہوا کھلی گمراہی۔

عصیان و نافرمانی میں مبتلا ہونا بدترین جرم اور انتہائی سرکشی ہے۔ جس کی پاداش میں اخروی زندگی بالکل تباہ و برباد ہو جاتی ہے۔ اور ہمیشہ کے لئے دکھ درد اور عذاب مسلّط ہو جاتا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے :-

وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا	اور جو کوئی نافرمانی کرے اللہ کی اور اللہ کے رسول کی اس کیلئے ہے آگ دوزخ کی ہمیشہ کے لئے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے :-

وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ	اور جو کوئی نافرمانی کرے اللہ کی اور رسولؐ کی۔ اور بڑھے اس کی حدوں سے۔ اس کو داخل کرے گا آگ میں ہمیشہ کے لئے۔ اور اس کے لئے ہے عذاب ذلّت والا۔

عاصی اور نافرمان انسان کی عاقبت تو تباہ ہوتی ہے دنیا میں بھی انجام کار ذلت اور رسوائی ہوتی ہے۔ اور مصائب و مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم نے ارشاد فرمایا۔ نافرمانی کرنے سے بچو۔ اس لئے کہ نافرمانی سے غضب الٰہی نازل ہوتا ہے۔ نیز ارشاد فرمایا۔ نافرمانی کی وجہ سے رزق سے محرومی ہوتی ہے۔ (حیواۃ)

ظاہر میں بھی مال و دولت کی بربادی اور تباہی ہوتی ہے اور باطنی خیر و برکت اور لطف و حلاوت تو بالکل مفقود ہوجاتی ہے

اخراجات کبھی ختم ہونے میں نہیں آتے۔ اور ہر چیز بے کیف معلوم ہوتی ہے۔ اور زندگی وبالِ جان ہو جاتی ہے۔ ارشاد ربّانی ہے :-

مَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِىْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا

جس نے منہ پھیرا میری یاد سے اس کو ملتی ہے گذران تنگی کی۔

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔"جب کسی قوم میں بے حیائی کے کام برملا ہونگے۔ تو وہ طاعون میں مبتلا ہوں گے۔ اور ایسی ایسی بیماریاں ظاہر ہونگی جن کا کبھی نام و نشان بھی نہ تھا۔ اور جب کوئی قوم ناپ تول میں کمی کریگی۔ تو قحط سالی تنگ حالی اور حکام کے ظلم و تعدی میں گرفتار ہوگی۔ اور جو قوم زکوٰۃ اور صدقہ و خیرات نہ کریگی تو خشک سالی میں مبتلا ہوگی۔ اگر چوپائے نہ ہوتے تو ان کے لئے ایک بوند پانی کی نہ ٹپکتی۔ اور جو قوم عہد شکنی کرے گی۔ وہ ہمیشہ دشمنوں کی گرفت میں رہے گی جو ان کے مال و دولت کو ناحق برباد کریں گے۔ دوسری روایت ہے جب کسی قوم میں خیانت برملا ہوگی۔ تو ان کے قلوب مرعوب اور خوفزدہ ہو جائیں گے۔ اور جب ناانصافی اور حق تلفی ظاہر ہوگی۔ تو ظالم دشمن کا ان پر تسلط اور حکمرانی ہوگی (حیٰوۃ المسلمین)

قوم سے مراد مسلمان قوم ہے۔ وہی اصل مخاطب ہے اور اسی کی راہ یابی اور خیر خواہی مطلوب ہے جس کی وجہ سے اس کو ہر بدی اور بدکاری اور بدکرداری سے روکا گیا۔

توبہ و استغفار خطا اور عصیان کا مداوا اور علاج ندامت و شرمندگی۔ توبہ اور استغفار ہے۔ ارشاد ربانی ہے:۔

وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ — اور گناہ بخشواؤ اپنے رب سے۔

اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا — بیشک وہ ہے بخشنے والا۔

گناہ اگرچہ بے پایاں اور بیکراں ہوں۔ مگر اس رحیم و کریم کے رحم و کرم کے سامنے سب ہیچ اور بے حیثیت ہیں بشرطیکہ پوری ندامت و شرمندگی ہو۔ اور صدق دل سے توبہ و استغفار ہو۔ اور کسی وقت بھی مایوسی اور ناامیدی نہ ہو۔ ارشاد ربانی ہے

لَا تَيْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ — مت ناامید ہو۔ اللہ کے فیض سے

اِنَّهٗ لَا يَيْئَسُ مِنْ رَّوْحِ — بیشک ناامید نہیں ہوتے اللہ

اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ — کے فیض سے مگر وہی لوگ جو منکر ہیں۔

گنہگاروں، خطا کاروں اور نافرمانوں کو بھی مایوس اور بددل نہ ہونا چاہیئے۔ وہ رحیم و کریم ہے اس کا رحم و کرم اپنے پرستاروں

پر وسیع تر ہے۔ اور غیض و غضب پر حاوی اور غالب ہے
چنانچہ ارشاد ہے:۔

قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ — کہدے۔ اے بندو میرے!
اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ — جنہوں نے زیادتی کی اپنی جان پر
لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ — نہ مایوس ہوں اللہ کی رحمت سے
اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ — بیشک اللہ بخشتا ہے سب گناہ وہی
جَمِیْعًا — ہے معاف کرنیوالا مہربان +

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مومن جب گناہ کرتا ہے۔ تو اس کے قلب پر ایک سیاہ داغ پڑ جاتا ہے۔ پھر جب توبہ و استغفار کر لیتا ہے۔ تو وہ صاف ہو جاتا ہے۔ اور اگر گناہ میں زیادتی کرتا ہے۔ تو وہ داغ بڑھتا جاتا ہے۔ یہی ہے وہ زنگ جس کا حق تعالےٰ نے ذکر فرمایا ہے۔ کَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ (یہ بات ہرگز نہیں۔ بلکہ ان کے دلوں پر زنگ لگ گیا ہے) نیز ارشاد فرمایا۔ میں تمہیں تمہاری اصلی بیماری اور علاج نہ بتلاؤں؟ تمہاری اصلی بیماری نافرمانی ہے اور اس کا علاج توبہ و استغفار ہے (حیوٰۃ) نیز ارشاد فرمایا۔ دلوں میں ایک قسم کا زنگ اور کدورت پیدا ہو جاتی ہے جس کی صفائی

توبہ واستغفار سے ہوتی ہے۔ (یعنی) پس بندۂ مومن کے لئے یہ ضروری ہے۔ کہ وہ ہر وقت نادم وشرمسار رہے۔ اور توبہ واستغفار میں مشغول رہے ؎

بندہ ہماں بہ کہ ز تقصیر خویش عذر بدرگاہ خدا آورد
ورنہ سزاوار خداوندیش کس نتواند کہ بجا آورد

یہ چند امور ہیں جن پر اجمالی نظر ڈالی گئی۔ جو زندگی کا اصلی سرمایہ ہیں اور انسان کی مایۂ ناز اور امتیازی پونجی ہے۔ جو اس زندگی میں بھی انسان کو چمکاتی اور بڑھاتی ہے۔ اور باعزو وقار ہر دلعزیز اور پسندیدہ خاطر بناتی ہے۔ اور آخرت کی زندگی کو بھی خوشگوار سبزہ زار بناتی ہے۔

انسان کی ساری انسانیت اور شرافت وکرامت اور سارے کمالات اور جواہر اس مایہ کے حصول اور اس کی حفاظت ونگرانی اور اس کی زیادتی وفراوانی پر موقوف ہیں جس قدر انسان ان اوصاف سے آراستہ ہوگا۔ اسی قدر ترقی یافتہ۔ صلاح یافتہ ہنرمند صاحب کمال وجمال ہوگا۔ اور جس قدر ان اوصاف سے خالی ہوگا مفلس ونادار۔ ناکارہ بدکار شمار ہوگا۔ انسانیت اور شرافت سے خالی ہوگا۔ اور حیوانیت اور بربریت کا مجسم نمونہ ہوگا

پس جسکا جی چاہے انسانیت اور شرافت کو اختیار کرے۔ اور حق وصداقت کا اعتراف اور اتباع کرے اور جس کا جی چاہے حیوانیت اور بربریت کو اختیار کرے۔ حق وصداقت سے منہ موڑے اور باطل کی پیروی کرے لیکن اپنے انجام اور مآل کو اچھی طرح سوچ سمجھ لے۔ ارشادِ ربانی ہے:۔

مَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ اِنَّا اَعْتَدْنَا لِلظَّالِمِيْنَ نَارًا

جو کوئی چاہے مانے اور جو کوئی چاہے نہ مانے ہم نے تیار کر رکھی ہے۔ گنہگاروں کے واسطے آگ۔

"اس زندگی کو حاصل کرنیکی ضرورت"

انسان کو کچھ وقت دنیا میں بسر کرنا ہے۔ پھر مرنا ہے۔ اور آخرت میں جانا ہے۔ وہیں اصل بود و باش ہے۔ اور وہی آخری ٹھکانا اور ابدی قیام گاہ ہے۔ وہ زندگی اس ناپائیدار زندگی کے اعمال و کردار کا عکس و آئینہ ہوگی۔ اگر یہاں کردار میں استواری ہوگی۔ تو وہاں بھی درستگی ہوگی۔ اگر یہاں بدعنوانی اور خرابی ہوگی۔ تو وہاں بھی بربادی اور تباہی ہوگی۔ اسی لئے یہاں کے تمام اعمال و افعال اور حرکات و سکنات کو اچھی

طرح جانچا اور پرکھا جا سکتا ہے۔ اور ہر چھوٹے اور بڑے عمل کو محفوظ رکھا جاتا ہے۔ تاکہ اس کے مطابق آخرت کی زندگی کو بنایا جائے۔ اسی کو "عذاب و ثواب" کہتے ہیں۔ اچھے اعمال اور عمدہ کردار خوش وضع اور دلفریب اور موجب راحت و فرحت ہوں گے۔ اور برُے اعمال اور خراب کردار بدزیب و بدنما ہوں گے اور باعث اذیّت و کلفت ہوں گے۔ ارشاد ربانی ہے:۔

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ	پس جو کوئی کرے گا ذرہ برابر بھلائی
ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنْ	دیکھے گا اس کو۔ اور جو کوئی کرے
يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ	گا۔ ذرہ برابر برائی دیکھیگا اس کو

یہاں کی طرح وہاں تکلیف و راحت۔ رنج و سرور کی آمیزش نہ ہوگی۔ وہاں صرف دو ہی ٹھکانے ہونگے۔ اور دو ہی قسم کی قیام گاہ ہوگی۔ ایک میں ہر ایک تکلیف و اذیّت اور رنج و غم کا پورا سامان ہوگا۔ اور انتہائی فراوانی کے ساتھ ہوگا۔ اور پورے جوش و خروش پر ہوگا۔ اس لئے کہ ادھر اللہ رب العزت کی شان جلالی کا ظہور ہوگا۔ نگاہ غیظ و غضب ہوگی اور عذاب و عقاب کا مکمل مظاہرہ ہوگا۔

یہ "جہنم" ہے۔ دوسری قیام گاہ میں راحت و آرام سرور و فرحت۔ اعزاز و اکرام کا پورا سامان ہو گا۔ اور انتہائی فراخدلی کے ساتھ ہو گا۔ جو انسانی فہم و ادراک اور وہم و گمان سے فزوں تر ہو گا۔ اس لئے کہ ادھر اللہ رب العزت کی شانِ جمالی کا ظہور ہو گا۔ اور نگاہ رحم و کرم ہو گی۔ اور شفقت و مہربانی اور لطف و کرم کا ہر طرح اظہار ہو گا یہ "جنت" ہے۔

ان دونوں ٹھکانوں کے علاوہ نہ کوئی تیسرا ٹھکانہ ہے۔ نہ کہیں جائے مفر ہے اور نہ راہ فرار۔ جس ٹھکانے میں بھی انسان پہنچ جائے گا۔ ہمیشہ وہیں رہنا پڑیگا۔ مسرور و شاداں ہو۔ یا غمگین اور نوحہ خواں۔ ارشاد نبویؐ ہے:۔

والذی نفسی بیدہ	قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں
ما بعد الموت دار الا	میری جان ہے۔ موت کے بعد صرف
الجنۃ او النار	دو ٹھکانے ہیں جنت یا دوزخ ۔

جہنم کا نقشہ

حق سبحانہ و تعالیٰ نے۔ قرآن حکیم میں جا بجا جہنم کے ہولناک مناظر اور دردناک عذاب کا تذکرہ فرمایا۔ تاکہ انسان اس سے باخبر اور آگاہ رہے اور تا بمقدور گریز کرے۔ اس کی شانِ کریمی نے یہ گوارا نہ کیا۔

کہ انسان کو محض عقل و دانش کی رہنمائی پر چھوڑ دیا جائے۔ بلکہ اس کو ہر طرح خبردار اور ہوشیار کر دیا گیا۔

(۱) اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاٰیٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِیْهِمْ نَارًا ؕ کُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَیْرَهَا لِیَذُوْقُوا الْعَذَابَ ؕ

جو لوگ منکر ہوئے ہماری آیتوں سے ان کو ہم ڈالیں گے آگ میں، جس وقت پک جاوے گی کھال انکی بدل کر دینگے ان کو اور کھال تا کہ چکھتے رہیں عذاب ۔

امام حسن رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔ روزانہ ستر ہزار مرتبہ نار جہنم جہنمی کو جلا کر خاکستر بنائے گی اور پھر بھی اس کا جسم ویسا ہی بنا دیا جائے گا۔ تاکہ عذاب کا کسی طرح خاتمہ نہ ہو (زھ

(۲) اِنَّ الْمُجْرِمِیْنَ فِیْ عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ لَا یُفَتَّرُ عَنْهُمْ وَهُمْ فِیْهِ مُبْلِسُوْنَ

البتہ جو گنہ گار ہیں۔ دوزخ کے عذاب میں ہیں۔ ہمیشہ کے لئے۔ نہ ہلکی ہوتی ہے ان پر اور اسی میں پڑے ہیں ناامید ۔

یہ عذاب کس نوعیت کا ہوگا۔ اس کا اندازہ اس سے لگائیے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ جو جہنمی کہ کمترین عذاب میں مبتلا ہوگا۔ حق سبحانہ وتعالےٰ اس سے فرماویں گے۔ کہ اگر

تجھ کو تمام دنیا دے دیجائے تو کیا تو اس کو اس عذاب کے فدیہ اور بدلہ میں دیدیگا۔ جہنمی عرض کریگا۔ ہاں ضرور دے دونگا حق وسبحانہٗ وتعالےٰ ارشاد فرماوینگے۔ میں نے تجھ سے بہت کمتر مطالبہ کیا تھا اور صرف یہ عہد لیا تھا۔ کہ میری خدائی میں کسی کو شریک نہ کرنا۔ مگر تو نے اس کی بھی عدول حکمی کی۔ اور کفر و شرک کو اختیار کیا۔ اب اسکی سزا حتمی اور دائمی ہے (ترجمہ)

رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ قیامت میں سب سے کمتر عذاب یہ ہوگا۔ کہ اس کے تلوؤں کے نیچے دوزخ کی دو چنگاریاں رکھی جائیں۔ جن کی سوزش اور تپش سے دماغ کا مغز اکھدکھدا رہا ہوگا۔ یہ بہت بڑی سزا معلوم ہوتی ہے۔ مگر وہاں کا کمترین عذاب ہوگا (ترجمہ از صحیحین)

نیز ارشاد فرمایا۔ نارِ جہنم کسی کی پنڈلیوں تک ہوگی اور کسی کے گھٹنوں تک ہوگی۔ کسی کی ناف تک ہوگی اور کسی کے نرخرہ تک ہوگی (ترجمہ از مسلم)

یہ سب کا سب کمترین عذاب شمار ہوگا۔ وہ عذاب الیم جو کفار و مشرکین اور ملحدین اور منکرین کے لئے مخصوص ہے وہ اس سے فزوں تر خوفناک ہوگا۔ چنانچہ ارشاد باری ہے۔ ․․․

لَهُم مِّن جَهَنَّمَ مِهَادٌ — کافروں کیلئے دوزخ کا بچھونا ہوگا
وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ — اور اوپر سے اسی کا اوڑھنا۔

دُوسری جگہ ارشاد ہے :۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوا قُطِّعَتْ — اور جن لوگوں نے کفر کیا۔ کترے جائینگے
لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ — ان کے لئے کپڑے آگ کے

پس معلوم ہُوا کافر و مشرک، ملحد و بے دین کا اوڑھنا بچھونا ناری ہوگا۔ پوشاک ناری ہوگی اور وہ سراپا جہنم کا شعلہ جوالہ اور دھکتا ہُوا انگارہ ہوگا

۳۔ يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا — اے ایمان والو بچاؤ اپنی جان کو اور
قُوْا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ — اپنے گھر والوں کو اس آگ سے جس
نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَ — کی چھپٹیاں ہیں آدمی اور پتھر۔ اس
الْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ — پر مقرر ہیں فرشتے تندخو۔ زبردست
غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ — بے حکمی نہیں کرتے اللہ کی جو بات
اللّٰهَ مَا اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ — ان کو فرمائی۔ اور وہی کام
مَا يُؤْمَرُوْنَ — کرتے ہیں جو ان کو حکم ہو۔

نارِ جہنم کیسی ہوگی؟ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ وہ آگ جس کو لوگ استعمال کرتے ہیں۔ نارِ جہنم کا ستروان جزر

ہے۔ صحابہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ۔ واللہ یہ آگ بھی کافی ہے۔ ارشاد فرمایا۔ مگر نارِ جہنم اس سے انہتر ۶۹ درجہ حرارت میں بڑھی ہوئی ہے۔ (نزھہ) ستر بار پانی سے بجھا کر اس آگ کو دنیا میں بھیجا گیا ہے۔ اگر پوری حرارت کا ایک شعلہ بھی دنیا میں آپڑے تو سب کو خاکستر بنادے۔

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ جہنم کو ایک ہزار سال تک جلایا گیا۔ اور وہ سرخ ہوگئی۔ پھر ایک ہزار سال دھکایا گیا۔ اور وہ سفید ہوگئی۔ پھر ایک ہزار سال دھکایا گیا اور وہ سیاہ ہوگئی۔ چنانچہ اب سخت ترین سیاہی کی حالت میں ہے، یہ آگ کی حرارت اور تپش کا حال ہوگا۔ اور جو کافر، مشرک، ملحد و بے دین اس کا ایندھن ہوں گے۔ انکی حالت یہ ہوگی ارشاد نبوی ہے۔ کافر جہنمی کے دونوں مونڈھوں کی درمیانی مسافت اس قدر ہوگی۔ جو سوار تین روز میں طے کریگا۔ پیاس اور خشکی کی وجہ سے زبان باہر نکلی پڑی ہوگی۔ جو میل دو میل لمبی ہوگی اور دوسرے جہنمی پیروں سے اس کو روندرہے ہوں گے آگ سے جھلسنے کی وجہ سے اوپر کا ہونٹ نصف سر تک چڑھا ہوا اور پھولا ہوا ہوگا۔ اور نیچے کا ہونٹ ناف تک

لٹک رہا ہوگا۔ آنسو اس طرح جاری ہوں گے۔ گویا گندہ نالہ بہہ رہا ہے (نزھہ)

کافر و ملحد و بے دین جہنمی کو یہ لمبائی، چوڑائی اور موٹائی، اسی لئے دی جائے گی۔ تاکہ اپنی بدکرداری و بداطواری اور کج فہمی کا ذائقہ اچھی طرح چکھ لے اور چکھتا رہے۔

دوزخ پر تیرہ فرشتے مسلط اور نگہبان ہونگے۔ جن کے سردار کا نام مالک ہوگا۔ جن کی آنکھیں بجلی کی طرح چمکدار ہونگی اور آواز کڑک کی طرح گرجدار ہوگی۔ ان کی کچلیاں ہتھوڑے جیسی ہونگی۔ اور منہ سے آگ کے انگارے اور شرارے برستے ہوں گے۔ رحمت و شفقت کا نام ونشان تک نہ ہوگا قوی ہیکل اس قدر ہوں گے۔ کہ ایک کھیپ میں ستر ہزار آدمیوں کو اٹھا کر جہاں چاہیں پھینک دیں گے (نزھہ) اور ایسے فرشتوں کو اسی لئے مقرر کیا جائے گا۔ تاکہ سختی میں کمی نہ ہو۔ اور عذاب میں کوتاہی نہ ہو۔ بلکہ ان کی شکل و صورت اور ان کا وجود خود مستقل وبال جان ہو۔

۴۔ اِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ لَهَا سَبْعَةُ	دوزخ پر وعدہ ہے ان سب کا اس کے سات دروازے ہیں۔

اَبْوَابٍ لِکُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ — ہر دروازہ کو، ان میں ایک فرقہ
جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ — بٹ رہا ہے۔

جہنم کے سات طبقات ہوں گے۔ ہر طبقہ دوسرے سے سخت تر ہو گا۔ اور ہر دو طبقوں کے درمیان ستر سالہ مسافت ہوگی۔ ساتوں طبقات کے نام یہ ہیں۔ جہنم ۔ لظی ۔ حطمہ ۔ سعیر ۔ سقر ۔ جحیم ۔ ہاویہ ۔ ہر طبقہ پہلے سے ستر گنا دردناک و ہیبتناک ہو گا۔ اور کمترین درجہ جہنم ہے۔ جو ان نافرماں سرکش مسلمانوں کے لئے ہے جو گناہوں میں سرشار ہیں اور توبہ استغفار سے محروم ہیں۔ بقدر گناہ ان کو بھی سزا بھگتنی ہوگی۔

دوسرا طبقہ نصاریٰ کے لئے۔ تیسرا یہود کے لئے، چوتھا بے دینوں کے لئے۔ پانچواں مجوس اور آتش پرست کیلئے چھٹا کافر مشرک ملحد کیلئے۔ ساتواں منافق کیلئے ہے ازرھ

۵۔ لَا یَذُوْقُوْنَ فِیْھَا بَرْدًا — نہ چکھیں مزا وہاں کچھ ٹھنڈک کا اور
وَّلَا شَرَابًا اِلَّا حَمِیْمًا وَّ — نہ کچھ پینا مگر گرم پانی اور بہتی
غَسَّاقًا — پیپ۔

یہ گرم پانی جو جہنمی کو پلایا جائیگا۔ اسقدر گرم ہوگا۔ کہ انتڑیوں کو کاٹ ڈالے گا۔

وَسُقُوْا مَاءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ أَمْعَاءَهُمْ — اور پلائے جائیں گے کھولتا پانی سو کاٹ ڈالے گا انکی آنتوں کو

اس چشمہ سے پانی پلایا جائیگا جو تپتا ہوا ہوگا۔

تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ — پانی ملیگا ایک چشمے کھولتے کا۔

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ اہل جہنم کو بھوک کی شدت معلوم ہوگی۔ جو ان کی اذیت اور تکلیف کو دوبالا کر دیگی۔ وہ کھانے کے لئے چلائیں گے۔ انکو ایک ردی کھانا دیا جائے گا۔ جو نہ بدن کو لگے گا۔ نہ اس سے بھوک کم ہوگی۔ پھر وہ کھانے کے لئے چلائیں گے۔ تب انکو ایسا کھانا دیا جائے گا۔ جو گلے سے نہ اترے گا۔ تب وہ پانی کو یاد کریں گے اور پانی کے لئے شور مچائیں گے۔ تب انکو لوہے کے تپتے ہوئے پیالہ میں گرم بھکتا ہوا پانی دیا جائیگا جب پیالہ منہ کے قریب ہوگا۔ تو تمام چہرہ کو جھلس دیگا۔ اور جب پانی پیٹ میں جائیگا۔ تو تمام آنتڑں کو کاٹ ڈالے گا اس پر وہ جہنم کے پاسبانوں سے فریاد کریں گے پاسبان جواب دیگا۔

اَلَمْ تَكُ تَاْتِيْكُمْ رُسُلُكُمْ — کیا نہ آئے تھے تمہارے پاس تمہارے

بِالْبَيِّنٰتِ رسول کھلی نشانیاں لے کر۔

وہ جواب دیں گے۔ ہاں اللہ کے رسول تو آئے تھے

پاسبان کہیں گے:۔

فَادْعُوْا فَمَا دُعٰٓؤُا تم چلاتے رہو۔ کافروں کی چیخ و

الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ پکار بے کار ہے۔

پھر پاسبانوں کے سردار مالک سے فریاد کرینگے:۔

يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا اے مالک! پروردگار ہمارا فیصلہ

رَبُّكَ کردے۔

مالک جواب دے گا:۔

اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ یقیناً تم یہیں ٹھیرنے والے ہو۔

پھر اللہ تعالےٰ کی طرف متوجہ ہونگے۔ اور بارگاہ خداوندی

میں فریاد کریں گے:۔

رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا اے رب! زور کیا ہم پر ہماری بدبختی

شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ نے۔ اور رہے ہم لوگ بھکے۔

رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا اے رب نکال لے ہم کو اس میں سے

فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ اگر ہم پھر کریں تو ہم گنہ گار۔

بارگاہ رب العزت سے جواب ملے گا:۔

اِخْسَئُوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ پڑے رہو پھٹکارے ہوئے اس میں اور مجھ سے نہ بولو۔

اب پوری مایوسی اور ناامیدی ہوگی اور حسرت وواویلا شروع ہوگا۔ جو بے سود ہوگا۔ بدن پر لرزہ طاری ہے۔ قلم یاری نہیں کرتا۔ اس لئے اس دردناک داستان کو ختم کیا جاتا ہے جس کی دردناکی کا تذکرہ ناقابل برداشت ہے۔ تصور سے روح کانپتی ہے۔ اس کا مشاہدہ کیونکر ہوگا بس اللہ ہی اپنے فضل وکرم سے نگرانی اور حفاظت فرمادیں۔ اَللّٰهُمَّ اَجِرْنَا مِنَ النَّارِ۔ اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا مِنَ النَّارِ۔ اَللّٰهُمَّ اَعِذْنَا مِنَ النَّارِ۔

نافرمان سرکش مسلمانوں کا انجام

حضرت جابر سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میری امت کے کے بعض لوگ اپنے گناہوں کی وجہ سے جہنم میں جائیں گے۔ اور جس قدر بھی خدا چاہیگا۔ اس میں ٹھہریں گے۔ پھر ان کو مشرکین طعنہ دینگے اور عار دلائیں گے۔ کہ تمہارا ایمان واسلام تمہارے کچھ کام بھی نہ آیا۔ تب حق تعالے ہر موحد کو جہنم سے نکال

ہیں اور یہ آیت تلاوت فرمائی :۔

رُبَمَا یَوَدُّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَوْ کَانُوْا مُسْلِمِیْنَ

کسی وقت آرزو کریں گے یہ لوگ جو منکر ہیں۔ کاش ہوتے ہم مسلمان ٭

جب تمام مسلمان جہنم سے نکل جائیں گے۔ تو کافر و مشرک ملحد و بے دین حسرت کے ساتھ کہے گا "کاش میں بھی مسلمان ہوتا"۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے۔ کہ رسول اللہ علیہ و سلم نے ارشاد فرمایا۔ شفاعت اور سفارش قیامت میں ان مسلمانوں کے لئے ہوگی۔ جو بڑے بڑے گناہوں میں مبتلا ہیں۔ اور اسی حالت میں مر گئے ہیں۔ جو جہنم کے دروازہ کے قریب ہی ہونگے نہ ان کے چہرے سیاہ ہونگے۔ اور نہ ان کی آنکھیں پھٹی ہوئی ہوں گی۔ اور نہ ان کے بیڑیاں ڈالی جائیں گی۔ اور نہ ان کو شیاطین کے ساتھ جکڑا جائیگا۔ اور نہ اِن کے کوڑے لگائے جائیں گے اور نہ ان کو درک اسفل میں پھینکا جائے گا بعض ان میں سے تھوڑی دیر وہاں ٹھہریں گے پھر نکال لئے جائیں گے اور بعض پورے دن ٹھہرینگے۔ پھر نکال لئے جائیں گے۔ اور بعض پورے مہینہ رہینگے پھر نکال لئے جائیں گے۔ اور بعض سال بھر رہیں گے۔ پھر نکال لئے جائیں گے اور سب سے زیادہ جو مسلمان جہنم میں رہیں

گے۔ اس کی مقدار دنیا کی پیدائش سے لے کر فنا تک کا زمانہ ہے۔ جو سات ہزار سال ہوتے ہیں (نزھۃ عن الحکیم الترمذی)

"جنت کا نقشہ" اسی طرح جنت کا بھی مکمل نقشہ اور پورا اجمال قرآن حکیم میں موجود ہے اور جگہ جگہ جنت کے احوال کو ذکر فرمایا۔ تاکہ وہاں کا شوق پیدا ہو۔ اور رغبت واشتیاق کے ساتھ اس کا انتظار کیا جائے۔ اور وہاں کے لیئے ہر طرح سے مکمل تیاری کی جائے۔

۱:۔ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ؕ اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِيْنَ ۚ وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ۚ لَا يَمَسُّهُمْ فِيْهَا نَصَبٌ وَّمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ ؕ

پرہیزگار ہیں باغوں میں اور ندیوں میں جاؤ اس میں سلامتی سے خاطر جمع سے اور نکال ڈالی ہم نے جو ان کے جیوں میں تھی خفگی۔ بھائی ہو گئے تختوں پہ بیٹھے سامنے نہ پہنچے گی ان کو وہاں کچھ تکلیف اور نہ ان کو وہاں سے کوئی نکالے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب اہل جنت اپنے اپنے ٹھکانوں پہ پہنچ جائیں گے تو باہم ملاقات کا اشتیاق ہو گا۔ اور ہر ایک کا تخت جلوس اڑ کر دوسرے کے

تخت کے پاس پہنچ جائے گا۔ اور باہم دنیا کی باتوں اور اللہ کی مغفرت اور انعام کا تذکرہ ہوگا (نزہۃ)

(۲) یَا عِبَادِیْ لَا خَوْفٌ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ وَلَا اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاٰیٰتِنَا وَ کَانُوْا مُسْلِمِیْنَ اُدْخُلُوا الْجَنَّۃَ اَنْتُمْ وَاَزْوَاجُکُمْ تُحْبَرُوْنَ یُطَافُ عَلَیْہِمْ بِصِحَافٍ مِّنْ ذَہَبٍ وَّ اَکْوَابٍ وَّفِیْہَا مَا تَشْتَہِیْہِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْیُنُ وَاَنْتُمْ فِیْہَا خَالِدُوْنَ وَ تِلْکَ الْجَنَّۃُ الَّتِیْٓ اُوْرِثْتُمُوْھَا بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ لَکُمْ فِیْہَا فَاکِہَۃٌ کَثِیْرَۃٌ مِّنْہَا تَاْکُلُوْنَ ط

اے بندو میرے نہ ڈر ہے تم پر آج کے دن اور نہ تم غم کھاؤ۔ جو یقین لائے ہماری باتوں پر اور رہے حکم بردار چلے جاؤ بہشت میں تم اور تمہاری عورتیں۔ کہ تمہاری عزت کریں۔ لئے پھرتے ہیں ان کے پاس رکابیاں سونے کی اور آبخورے اور وہاں ہے جو دل چاہے اور جس سے آنکھیں آرام پادیں۔ اور تم کو ان میں ہمیشہ رہنا ہے۔ اور یہ وہی بہشت ہے جو میراث پائی تم نے بدلے ان کاموں کے جو کرتے تھے تمہارے لئے۔ ان میں میوے ہیں بہت ان میں سے کھاتے ہو تم ؎

۳- إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي مَقَامٍ
أَمِينٍ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ
يَلْبَسُونَ مِنْ سُندُسٍ وَ
إِسْتَبْرَقٍ مُّتَقَابِلِينَ كَذَٰلِكَ
وَزَوَّجْنَاهُم بِحُورٍ عِينٍ
يَدْعُونَ فِيهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ
آمِنِينَ لَا يَذُوقُونَ فِيهَا
الْمَوْتَ إِلَّا الْمَوْتَةَ الْأُولَىٰ
وَوَقَاهُمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ
فَضْلًا مِّن رَّبِّكَ ذَٰلِكَ
هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ

بیشک پرہیزگار گھر میں ہیں چین کے
باغوں میں اور چشموں میں پہنتے ہیں
پوشاک ریشمی پتلی اور گاڑھی ایک
دوسرے کے سامنے اسی طرح۔
اور بیاہ دی ہم نے ان کو گوریاں
بڑی آنکھوں والیاں۔ منگواتے ہیں
وہاں ہر میوے خاطر جمع سے۔
نہ چکھیں گے وہاں مرنا مگر پہلی موت
اور بچایا ان کو دوزخ کے عذاب
سے۔ تیرے رب کے فضل سے۔
یہی ہے بڑی کامیابی۔

صحیحین میں حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ حق سبحانہ و تعالےٰ ارشاد فرماتے ہیں۔ میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے وہ سازو سامان اور عیش و آرام تیار کر رکھا ہے۔ جس کو نہ آنکھوں نے دیکھا۔ نہ کانوں نے سنا۔ اور نہ کسی کے تصور میں آیا چنانچہ ارشاد ربانی ہے۔

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ — سو کسی کو معلوم نہیں جو چھپا رکھا ہے انکے واسطے آنکھوں کی ٹھنڈک سے

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ جنت میں سو درجات ہیں۔ ہر دو درجوں کی درمیانی مسافت آسمان و زمین کی درمیانی مسافت کے برابر ہے سب سے اعلیٰ مقام جنت الفردوس ہے۔ وہیں سے جنت کی نہریں جاری ہوتی ہیں۔ اس سے اوپر عرش الٰہی ہے۔ تم ہمیشہ اللہ تعالےٰ سے جنت الفردوس ہی مانگا کرو۔ نیز ارشاد فرمایا۔ جنت میں مومن کے لئے ایک خیمہ ہوگا۔ جو ایک بیضوی شکل کے موتی کا ہوگا جس کا طول ساٹھ میل ہوگا جس کے ہر گوشہ میں مومن کے اہل و عیال مقیم ہوں گے۔ جن پر اس کی آمد و رفت ہوگی۔ اسی میں دو باغ چاندی کے ہوں گے۔ جن کا سارا ساز و سامان چاندی کا ہوگا۔ اور دو باغ سونے کے ہوں گے۔ جن کا کل سامان سونے کا ہوگا (نزھہ)

صحیحین میں ہے کہ جنت میں ایک اتنا بڑا درخت ہے۔ جسکو تیز رو شہسوار سو سال میں طے کر سکتا ہے۔ (نزھہ)

نیز ارشاد فرمایا۔ کہ جب جنتی جنت میں داخل ہو جائیں گے

کہ ایک منادی آواز لگائیگا۔ تم اب ہمیشہ زندہ رہو گے۔ کبھی نہ
مرو گے۔ ہمیشہ تندرست رہو گے کبھی بیمار نہ ہو گے۔ ہمیشہ
جوان رہو گے۔ کبھی بوڑھے نہ ہو گے۔ ہمیشہ نعمتوں میں سرشار رہو گے
کبھی ان سے محروم نہ ہو گے۔ نیز ارشاد فرمایا حق سبحانہ و
تعالٰے اہل جنت کو خطاب فرمائینگے "اے اہل جنت"
جنتی عرض کریں گے۔ ہمارے پروردگار ہم حاضر ہیں۔ ہر خیر و
سعادت آپ ہی ہاتھ میں ہے۔ ارشاد ہو گا۔ کیا تم راضی ہو
گئے۔ عرض کرینگے۔ پروردگار کیوں نہ راضی ہوتے جب کہ
تو نے ہمیں وہ عطا کیا۔ جو اپنی کسی مخلوق کو بھی نہیں دیا۔ ارشاد
ہو گا۔ کیا میں اس سے بہتر چیز عطا کروں۔ عرض کرینگے
اس سے بہتر کیا ہو سکتا ہے؟ ارشاد ہو گا۔ میں نے تم کو
اپنی رضا اور خوشنودی عطا کی۔ اب کبھی خفگی نہ ہو گی (از جہاز
صحیحین) یہ رضا اور خوشنودی کا پروانہ ہی اصلی اعزاز و اکرام
ہو گا۔ جو بندہ کا اصل مطلوب اور مقصود اعلٰے ہوتا ہے۔ اور
جس کی خاطر بندگی کی جاتی ہے۔ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ
(اور اللہ کی تھوڑی سی رضا بہت بڑی نعمت ہے)

اللھم انی اسألك رضاك والجنة واعوذ بك

من سخطک والنار۔

حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں ہم نے بارگاہ نبوی میں عرض کیا۔ یارسول اللہ ہمیں بتلادیجئے جنت کیسی ہے؟ ارشاد فرمایا۔ ایک اینٹ چاندی کی ہوگی۔ اور ایک سونے کی بمشک اذخر کی چنائی ہوگی۔ وہاں کی کنکریاں موتی اور یاقوت ہونگے اور وہاں کی مٹی زعفران ہوگی۔ جو شخص اس میں داخل ہوگا وہ ہمیشہ نعماء سے سرشار رہیگا۔ کبھی محرومی اور کمی نہ ہوگی اور ہمیشہ کے لئے رہیگا۔ موت اور فنا نہ ہوگی۔ نہ لباس کبھی میلا ہوگا۔ اور نہ شباب میں انحطاط ہوگا (نزھ)

نیز ارشاد نبوی ہے۔ اہل جنت کے قد حضرت آدم علیہ السلام کے قد کے برابر ساٹھ ہاتھ کے ہوں گے۔ ہر ایک حسن یوسفی کا نمونہ ہوگا۔ اور حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی عمر کے برابر ہر ایک کی عمر تینتیس ۳۳ سال کی معلوم ہوگی۔ (نزھ)

(۴) وَسِيقَ الَّذِينَ اتَّقَوْا	اور ہانکے گئے جو ڈرتے رہے تھے
رَبَّهُمْ إِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا حَتَّىٰ	اپنے رب سے بہشت کو جتھے جتھے۔
إِذَا جَاءُوهَا وَفُتِحَتْ	یہاں تک کہ جب پہنچے اس پر اور کھولے
أَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا	گئے دروازے اس کے اور کہنے

سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ
گے۔ ان کو داروغہ اس کے سلام پہنچے تم پر، تم لوگ پاکیزہ ہو داخل ہو جاؤ اس میں ہمیشہ کے لئے

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں۔ جب اہل جنت جنت کے دروازوں پر پہنچیں گے۔ تو ہر دروازہ پر ایک درخت ہوگا جس کے نیچے دو چشمے جاری ہونگے۔ وہ ان میں سے ایک سے پانی پئیں گے۔ جس سے ہر درد و غم خوف وہراس۔ غل وغش دور ہو جائیگا پھر دوسرے چشمہ سے غسل کریں گے۔ جس سے حسن و رونق چمک جائیگا۔ پھر دروازوں میں داخل ہونگے تو فرشتے خیر مقدم کریں گے اور کہینگے :-

سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ
سلام پہنچے تم پر تم لوگ پاکیزہ ہو داخل ہو جاؤ اس میں ہمیشہ کیلئے

اور اپنی اولاد خوش ہوتی نظر آئیگی۔ پھر بچے جا کر حوران بہشت کو اس کی آمد کی خوشخبری سنائیں گے۔ حوران بہشت اپنے خاوندوں کی آمد سے مسرور و شاداں ہونگی۔ وہ پہلے سے محلات کے دروازوں پر منتظر اور مشتاق ہونگی۔ جب جنتی اپنے ٹھکانے پر پہنچیگا۔ تو گھر کے تمام سامان کو موتیوں کا پائے گا۔ اور

دیواریں سونے چاندی کی ہونگی۔ پاکیزہ نظیف بیویاں ہوں گی ظروف سجے ہوئے ہوں گے۔ فرش بچھے ہوئے ہوں گے، بچھونے لگے ہوئے ہونگے۔ وہ تکیہ لگاکر بیٹھ جائے گا۔ اور کہے گا:-

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ	شکر اللہ کا جس نے ہم کو یہاں راہ
هَدٰنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا	دی اور ہم نہ تھے۔ راہ پانے والے
لِنَهْتَدِیَ لَوْلَا اَنْ هَدٰنَا اللّٰهُ	اگر نہ راہ دیتا ہم کو اللہ
(۵) وَبَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا	اور خوشخبری سنا ان کو جو ایمان لائے
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ	اور نیک کام کئے کہ ان کیلئے ہیں
لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ	باغ۔ بہتی ان کے نیچے ندیاں جب
تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ كُلَّمَا	کھانے کو ملے ان کو وہاں کوئی میوہ
رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ	تو کہیں گے۔ یہ ہے وہی میوہ
رِّزْقًا قَالُوْا هٰذَا الَّذِیْ	جو ملا تھا ہم کو پہلے۔ اور
رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ وَاُتُوْا	ان کے پاس آدے گا وہ
بِهٖ مُتَشَابِهًا	ایک طرح کا؛

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں جنت کے تمام پھل شکل وصورت میں مشابہ ہونگے۔ اور ہر ایک کا ذائقہ جدا ہوگا۔

جس قدر بھی دنیا میں پھل ہیں۔ سب وہاں موجود ہونگے۔ اور نہایت لذیذ اور خوش ذائقہ ہوں گے۔ وہاں کوئی پھل ترش اور بدذائقہ نہ ہوگا۔ حتےٰ کہ حنظل بھی شیریں مزیدار ہوگا (ترجمہ)

(٦) مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ فِيْهَا اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهٗ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى ط

مثال اس بہشت کی جسکا وعدہ ہے پرہیزگاروں کے لئے اس میں نہریں ہیں پانی کی بے بدبو والی اور نہریں ہیں دودھ کی جن کا مزہ نہیں پھرا۔ اور نہریں ہیں شراب کی جس میں مزہ ہے پینے والوں کو اور نہریں ہیں صاف شہد کی ؛

٧۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا اُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّ

بیشک جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کئے۔ ہم نہیں ضائع کرتے اجر اس کا جس نے اچھا کام کیا۔ یہی لوگ ہیں جن کے لئے باغ ہیں بسنے کیلئے۔ بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں۔ پہناتے ہیں ان کو وہاں کچھ کنگن سونے کے، اور

يَلْبَسُونَ ثِيَابًا خُضْرًا مِّنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ مُّتَّكِئِيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَائِكِ نِعْمَ الثَّوَابُ وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا

پہنتے ہیں کپڑے سبز پتلے اور گاڑھے ریشم کے تکیہ لگائے بیٹھے ہیں ان میں تختوں پر۔ کیا خوب بدلا ہے۔ اور کیا خوب آرام۔

"دیدارِ خداوندی" سب سے بڑی نعمت اور سب سے اعلیٰ اکرام اہل جنت پر یہ ہوگا کہ وہ دیدار خداوندی سے سرفراز ہوں گے۔ اور بلا کسی پردہ اور حجاب کے مشاہدہ جمال سے مست و سرشار ہوں گے ارشاد ربانی ہے:۔

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ — کتنے چہرے اس دن شاداب ہیں۔
اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ — اپنے رب کی طرف دیکھنے والے

حضرت ابن عباس اور بشیر علماء کا قول یہی ہے۔ کہ مشاہدہ جمال خداوندی انہیں آنکھوں سے ہوگا۔ اور بلا کسی پردہ و حجاب کے ہوگا۔ اور ہر جنتی حسب حیثیت اس نعمت عظمیٰ سے مستفیض ہوگا۔ حضرت ابن عمر سے مروی ہے۔ کہ:۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص اہل

جنت میں سب سے زیادہ باکرامت ہوگا۔ وہ صبح وشام دیدارِ خداوندی سے سرفراز ہوگا (نزھہ)

صحیحین میں حضرت جابرؓ سے مروی ہے۔ کہ ہم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے۔ چودھویں شب تھی۔ آپ نے چاند کی طرف دیکھا اور فرمایا۔ قریب ہی تم اپنے پروردگار کے جمال کا اسی طرح مشاہدہ اور معائنہ کروگے جس طرح اس چاند کو دیکھ رہے ہو۔ کہ کسی کو کسی قسم کی مزاحمت پیش نہیں آتی (نزھہ)

نیز ارشادِ نبوی ہے۔ اہل جنت نعمائے جنت میں مشغول ہونگے کہ ایک نورِ مطلق کا ظہور ہوگا۔ سب اس کی طرف نگاہیں اٹھائیں گے۔ وہ پروردگارِ عالم کا جلوہ ہوگا۔ خطاب ربانی ہوگا:۔ "اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا اَھْلَ الْجَنَّۃِ"۔ جس کی جانب اس آیت میں اشارہ ہے۔ سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِیْمٍ (سلام کہا ہے رب مہربان کی طرف سے)

نظرِ خداوندی اہل جنت کی جانب ہوگی۔ اور جنتیوں کی نگاہیں جمال خداوندی پر اور اس قدر مست وسرشار ہوں گے۔ کہ تمام نعمائے جنت سے بے خبر اور بیگانہ ہوں گے۔ پھر جلوہ خداوندی

حجاب میں آجائیگا۔ اور اس کا نور اور خیر و برکات باقی رہ جائیں گی (نزھا) یہ ہے وہ اصلی دولت جس پر ہر دو عالم نثار ہیں۔ اور سب کچھ قربان ہے۔

ہر دو عالم قیمت خود گفتۂ نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

جنت اور دوزخ کا اجمالی حال اور دھندلا سا نقشہ سامنے آچکا۔ یہ کوئی خیالی اور وہمی خاکہ نہیں۔ بلکہ حقیقت ہے اور سراسر واقعیت ہے جس کا مشاہدہ کرنا ہے اور جس سے ہر ایک کو سابقہ پڑنا ہے۔ خواہ وہ اس کو مانے یا نہ مانے۔ خواہ کسی کا دماغ اس کو قبول کرے یا نہ کرے۔ بہرحال مرنا ہے۔ اور اس عالم میں اپنے اعمال و کردار کے اثرات کو دیکھنا ہے۔ اور ہمیشہ کے لئے بھگتنا ہے۔ اب جس کا دل چاہے۔ جہنم کے لئے تیار ہو جائے اور جس کا جی چاہے جنت کی تیاری میں مشغول ہو۔ البتہ چند لمحات کے لئے آگ کی چنگاری ہاتھ کی ہتھیلی پر رکھ کر دیکھ لے۔ اگر وہ برداشت ہو سکتی ہو۔ تو فبہا۔ ورنہ اپنی سرکشی الحاد و بے دینی غفلت و مدہوشی سے باز آئے وقت کی قدر کرے اور اپنے افکار و خیالات اور اعمال و افعال کو درست

کرے۔ کہ اسی پر ساری زندگی کا دار و مدار ہے۔ ع

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

اصل زندگی کو حاصل کرنے کا طریق

اس زندگی کو حاصل کرنے کا طریق مشکل بھی ہے اور آسان بھی ہے۔ دشوار گذار بھی ہے اور سہل راہ بھی ہے۔ قصد و ارادہ عزم و ہمت ہو۔ تو کوئی بھی مشکل اور دشواری نہیں۔ آسانیاں ہی آسانیاں ہیں اور سہولت پر سہولت ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ اَلدِّیْنُ یُسْرٌ (دین بہت آسان ہے) لیکن طبیعت کا رُخ ہی ٹیڑھا ہو۔ اور دماغی افکار و خیالات ہی گندہ اور پراگندہ ہوں اور قلبی رجحانات ہی خراب و خستہ ہوں تو پھر قدم قدم پر دشواری نظر آئے گی۔ اور مشکلات دکھلائی دیں گی۔ ع

"تیرا ہی دل نہ چاہے تو بہانے ہزار ہیں"

اس زندگی کو حاصل کرنے کے لئے صرف دو باتیں درکار ہیں۔ اوّل افکار و خیالات کی درستی اور صحیح جذبۂ خدا پرستی۔ کہ ہر کام میں خدا پرستی کے علاوہ کسی دوسری پرستاری کا شائبہ

تمنّا نہ ہو۔ صرف رضائے الٰہی مطلوب ہو۔ کوئی دُوسرا داعیہ اور محرک نہ ہو۔ کسی دوسرے داعیہ اور محرک کا ہونا بہ غیر پرستی ہے۔ اور خداپرستی کے بالکل منافی ہے۔ اور کھلا شرک ہے اور سراسر بے دینی ہے۔ دوسرے تمام اعمال وافعال کی صلاحیت اور درستی جس کا اصلی معیار یہ ہے۔ کہ ہر کام شریعت کے موافق ہو۔ اور صحیح جذبہ اور صحیح داعیہ کے ساتھ ہو۔ اغراض و خواہشات کی آمیزش اور آویزش سے پاک وصاف ہو۔

یہ دونوں باتیں دنیاوی زندگی میں بھی سودمند، کارآمد اور مفید ہیں۔ اور آخرت کی زندگی کیلئے تو لازم اور شرطِ اوّلین ہیں۔ چنانچہ ارشادِ ربّانی ہے:۔

مَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ	جسکو امید ہو ملنے کی اپنے رب سے
رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا	تو کرے کام نیک۔ اور
وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ	شریک نہ کرے اپنے رب کی بندگی
رَبِّهٖ أَحَدًا ؕ	میں کسی کو۔

پس اصل زندگی یہی ہے۔ کہ انسان کا ہر عمل صالح اور مستقیم ہو۔ اور اسی کا تعلق ہر کام کی انجام دہی اور کارکردگی کا محرک اصلی ہو۔ کسی دُوسری غرض کی آمیزش نہ ہو۔

عمل پیہم، یقیں محکم، محبت فاتح عالم
جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

اس کیلئے دو باتوں کی ضرورت ہوگی۔ کتاب و سنت کا اتباع اسوۂ حسنہ نبوی کی پیروی۔

۱۔ "کتاب و سنت کا اتباع" } حق سبحانہ وتعالےٰ نے بنی نوع انسان کی فلاح وبہبود، ترقی وعروج اور دارین کی سرسبزی اور شادابی اور کامیابی، وکامرانی کے لئے رسولوں کی مقدس جماعت کو مبعوث فرمایا۔ اور ان کے ذریعہ مخلوق کی فوز وفلاح کے لئے احکامات نازل فرمائے جب انسانیت درجہ شعور تک پہنچ گئی۔ اور کمال کی صلاحیت اور استعداد پیدا ہوگئی۔ تو انسانیت کے مکمل قوانین وضوابط اس عالی ذات کی ذریعہ نازل فرمائے جو خود کمال انسانی کا مکمل ترین مجسمہ تھا۔ علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اور پوری حق وصداقت کو اس میں سمو دیا گیا۔ اور محصور کر دیا گیا۔ ترقی کے اس راہ حق اور طریق صداقت کو کشادہ کرکے دیگر تمام راہوں کو مسدود کر دیا گیا۔ اور باطل وممنوع قرار دیا گیا۔ ارشادِ ربانی ہے:۔

فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ إِلَّا — پس کیا ہے حق کے بعد سوائے

الضَّلَالُ

گمراہی کے

قرآن حکیم انسانیت کا مکمل دستور العمل ہے۔ ترقی اور عروج کا اصلی طریق ہے۔ اور زندگی گذارنے کا آسمانی ضابطہ و قانون ہے۔ اور درس انسانی کا مکمل کورس ہے۔ اور حق و صداقت کا اصلی معیار ہے۔ جس کی عملی تفسیر اور تشریح و توضیح۔ سید الانبیاء والمرسلین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی ذات گرامی اور آپ کے اعمال واقوال اور حرکات و سکنات ہیں۔ اور انسانی زندگی کو گذارنے کے لئے صرف یہی ایک راہ عمل اور راہ نجات ہے۔ باقی تمام راہیں اور طور طریق گمراہ کن۔ حق شکن اور مردود و ملعون ہیں۔ اور دارین کی زندگی کے لئے ناکارہ ہیں۔ ارشادِ ربانی ہے۔

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ	اور جو کوئی چاہے اسلام کے علاوہ
دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ	اور راستہ تو اس سے ہرگز قبول نہ ہوگا
فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ	اور وہ آخرت میں خسارہ والا ہے۔

پس راہ ترقی۔ طریق فوز و فلاح۔ کامیابی اور کامرانی کا رستہ عقل و دانش کا تقاضا۔ ایمان و اسلام کا مقتضٰی یہی ہے۔ کہ زندگی بسر کرنے کے لئے کتاب اللہ اور سنت رسول پیش نظر ہو۔ اور وہی دلیل راہ ہو۔ اور یک سرِ مُو اس سے تجاوز و تخالف

نہ ہو۔ ارشادِ ربانی ہے:۔

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا — اور مضبوط پکڑو رسی اللہ کی سب مل کر اور پھوٹ نہ ڈالو۔

اور زندگی کا جو بھی کام درپیش ہو۔ جہاں کہیں بھی الجھاؤ یا نزاع ہو۔ تو فوراً اللہ اور رسول کی جانب متوجہ ہو۔ اور قرآن و حدیث سے اس کا صحیح حل تلاش کرے۔ ارشادِ ربانی ہے:۔

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ — پھر اگر جھگڑ پڑو کسی چیز میں تو رجوع کرو اللہ کی اور رسول کی طرف۔

امام شافعی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ آیت کا مطلب یہ ہے۔ کہ زندگی کے ہر مسئلہ اور نزاعی بات میں اللہ اور رسول کی طرف رجوع کرو اور یہ جستجو کرو۔ کہ اللہ کا اس کے متعلق کیا حکم ہے۔ اور رسول اللہ کا کیا فرمان ہے۔ پس اللہ اور رسول کی طرف رجوع یہی ہے۔ کہ اس کام میں قرآن اور حدیث کا اتباع کیا جائے۔ انسان کا جو کام قرآن و حدیث کے خلاف ہوگا۔ وہ سراسر گمراہی بے دینی اور ناقابلِ پذیرائی ہوگا۔ ارشادِ نبوی ہے

من عمل عملا لیس علیہ امرنا فھو رد (رواہ مسلم) — جو شخص وہ کام کرے جس کے متعلق ہمارا حکم نہیں ہے۔ پس وہ کام مردود ہے

پس اصل مسلمانی اور ایمانی یہی ہے۔ کہ کتاب وسنت دلیل راہ ہو۔ اور ہر ہر قدم پر اسی کا اتباع اور اقتدا ہو۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں سید الانبیاء والمرسلین حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم تمام کمالات اسمائی وصفاتی کو جامع ہیں۔ اور اعتدال کے ساتھ تمام انبیاء کرام کا مظہر ہیں۔ جو کتاب آپ پر نازل کی گئی۔ وہ ان تمام آسمانی کتابوں کو جامع ہے۔ جو دیگر انبیاء کرام پر نازل کی گئیں۔ نیز جو شریعت آپ کو دی گئی۔ وہ تمام سابقہ شریعتوں کا انتخاب ہے۔ اور جو اعمال اس شریعت حقہ میں بتلائے گئے وہ تمام سابقہ شریعتوں اور فرشتوں کے اعمال کو جامع اور حاوی ہیں۔

اس شریعت میں امم سابقہ اور ملائکہ مقربین کے اعمال میں سے بہترین انتخاب کر کے اس کو معمول بہ اور مامور بنایا گیا پس اس شریعت کی تصدیق اور تعمیل درحقیقت ہر شریعت کی تصدیق اور تعمیل ہے۔ اسی لئے اس شریعت کی تصدیق کرنے والے "خیر الامم" کے معزز لقب سے سرفراز ہوئے۔ اسی طرح اس شریعت کی تکذیب اور اس پر عمل در آمد نہ کرنا درحقیقت تکذیب

ہے تمام شرائع کی اور معطل و بیکار کرتا ہے تمام شریعتوں کو۔ سردارِ دوجہاں صلے اللہ علیہ وسلم جبکہ تمام کمالات اسمائی وصفاتی کو جامع ہیں تو آپ کی تصدیق درحقیقت ان تمام کمالات کی تصدیق ہے۔ اور آپکی تکذیب کرنے والے اور آپ کی شریعت کو نہ ماننے والے بدترین امم ہیں۔

اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ کُفْرًا وَّ نِفَاقًا گنوار سخت منکر ہیں۔ اور منافق۔

محمد عربی کہ آبروئے ہر دو سرا ست
کسے کہ خاک درش نیست خاک بر سر او

دوسرے مکتوب گرامی میں ارشاد فرماتے ہیں (مکتوب ۲۹ جلد اول ص۶)

شریعت کے تین اجزا ہیں۔ علم، عمل، اخلاص۔ جب تک یہ تینوں اجزا برابر نہ پائے جائیں گے۔ شریعت کا وجود نہ ہوگا جب شریعت پر مکمل طور پر عمل ہوگا۔ تو رضائے خداوندی حاصل ہو جائے گی۔ جو تمام دینی و دنیوی سعادتوں کا حاصل ہے۔ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ (اور رضامندی اللہ کی سب سے بڑی ہے) پس شریعت محمدیہ تمام دینی اور دنیوی سعادتوں کے حصول کی ضامن اور متکفل ہے۔ اور کوئی بھی

مقصدِ خیر ایسا نہیں رہا جس کے حصول کے لئے شریعت کے علاوہ کی ضرورت پیش آئے۔ طریقت و حقیقت بھی جو صوفیاؒ کے یہاں مابہ الامتیاز ہیں۔ شریعت کے خادم ہیں جن سے شریعت کے جزءِ ثالث (اخلاص) کی تکمیل کی جاتی ہے
(مکتوب ۳۶ جلد اول ص۵۰)

۲۔ "اسوۂ حسنہ نبویؐ کی پیروی"

کتاب و سنت کے اتباع اور اقتدار کا اصلی معیار اور سارا دارومدار اسوۂ حسنہ نبویہ کی پیروی پر موقوف ہے۔ اس لئے کہ وہ ہی قرآن حکیم کی اصلی عملی تفسیر اور تشریح و توضیح ہے۔ اور وہ ہی کلامِ ربانی کا اصل منشا اور مراد ہے۔ اور وہ ہی تخلیق کائنات کا خلاصہ اور مقصود ہے۔ حدیث قدسی ہے:۔

لولاک لما خلقت الافلاک — اگر تم نہ ہوتے۔ تو میں آسمانوں کو پیدا نہ کرتا۔

اپنے کو اس سانچہ کے موافق بنانا اور ہر کام میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنا انسانیت کا اصلی معیار ہے۔ جو دنیوی زندگی کی کامیابی۔ اور اُخروی زندگی کی درستی

کے لئے ناگزیر ہے :۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ ؕ

البتہ ہے تمہارے لئے رسول اللہ میں اچھی پیروی اس کے لئے جو امید رکھتا ہے اللہ کی اور آخرت کے دن کی :۔

اللہ تبارک و تعالٰے کے یہاں باریابی اور آخرت کی نعمتوں سے سرفرازی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اتباع پر موقوف ہے۔ صرف اسی ایک ذریعہ سے انسان منزلِ مقصود تک پہنچ سکتا ہے۔ اور الطافِ خداوندی سے سرفراز اور سرشار ہو سکتا ہے اور بس . . . . ارشاد ربّانی ہے :۔

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ؕ

تو کہہ اگر تم محبت رکھتے ہو اللہ کی تو میری راہ چلو تاکہ اللہ تم کو چاہے اور بخشے گناہ تمہارے

رسولِ خدا کی اطاعت اور پیروی بعینہٖ حق سبحانہ وتعالیٰ کی اطاعت اور پیروی ہے۔

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ

جس نے حکم مانا رسول کا، اس نے

فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ ؕ حکم مانا اللہ کا +

حق سبحانہٗ وتعالےٰ نے اطاعت رسول کو اپنی اطاعت قرار دیا۔ پس ہر وہ اطاعت خداوندی کا دعوٰے جو رسول کی اطاعت کے منافی ہو۔ اطاعتِ خداوندی نہیں۔ محض دردسری ہے۔ اور کھلی بے دینی ہے چنانچہ ان لوگوں کی مذمت کی گئی جو اطاعت خدا اور اطاعتِ رسول میں تفریق پیدا کرتے ہیں۔ اور ایسے لوگوں کو کافر و منکر قرار دیا گیا۔

یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّفَرِّقُوْا بَیْنَ اللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَیَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَکْفُرُ بِبَعْضٍ وَّیُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَّخِذُوْا بَیْنَ ذٰلِکَ سَبِیْلًا ۙ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ

چاہتے ہیں۔ کہ تفریق کریں اللہ میں اور اس کے رسولوں میں اور کہتے ہیں کہ ہم مانتے ہیں بعض کو اور نہیں مانتے بعض کو۔ اور چاہتے ہیں۔ کہ نکالیں بیچ میں ایک راہ۔ ایسے لوگ وہی ہیں اصلی کافر +

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ جو بھی نبی اپنی امت میں مبعوث ہوا۔ اس کے کچھ حواری اور اصحاب

ہوئے جنہوں نے نبی کی تعلیمات کو لیا۔ اور ان کی پیروی کی پھر ناخلف لوگ پیدا ہوں گے۔ وہ جو کچھ کہیں گے ویسا کریں گے نہیں۔ اور جو کچھ کریں گے۔ وہ حکم خداوندی اور تعلیمات نبی کے خلاف ہوگا۔ جو شخص قوتِ بازو کے ساتھ ان سے جہاد کرے وہ بھی مومن ہے۔ اور جو شخص زبان کے زور کے ساتھ جہاد کرے وہ بھی مومن ہے۔ اور جو شخص دل کی نفرت اور حقارت کے ساتھ ان سے جہاد کرے۔ وہ بھی مومن ہے اس کے بعد رائی برابر بھی ایمان نہیں ہے (انزھ عن مسلم)

رسول کی پیروی، اور اس حد تک پیروی کہ خواہشات اور مرغوبات تک رسول کے تابع ہوں۔ ایمان کی جڑ ھ اور بنیاد ہے۔ بلکہ عین ایمان ہے۔ ارشادِ نبوی ہے:-

لا یومن احدکم حتی یکون ھواہ تبعا لما جئت بہ

کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی خواہشات تک میرے طریق کے تابع نہ ہوں

چنانچہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے آخری وصیت اور آخری تاکید جو صحابہ کرام کو فرمائی وہ یہی تھی۔ کہ کسی حال میں اور کسی کام میں بھی طریقِ نبوی کو نہ چھوڑا جائے۔ اور اسوۂ

حسنۂ نبوی کی پوری پیروی کی جائے۔

حضرت عرباض بن ساریہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسا وعظ فرمایا جس سے قلوب نرما گئے اور آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔ ہم نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! یہ تو وداعی اور آخری وعظ معلوم ہوتا ہے۔ ہمیں کوئی وصیّت کر دیجیے۔ ارشاد فرمایا:۔

اوصیکم بتقوی اللہ والسمع والطاعۃ و ان تامر علیکم عبدٌ وانہ من یعش منکم فسیریٰ اختلافاً کثیراً فعلیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین من بعدی عضوا علیھا بالنّواجذ وایاکم و محدثات الامور فان کل بدعۃ ضلالۃ

میں تمہیں وصیّت کرتا ہوں۔ کہ تقویٰ و پرہیزگاری پر قائم رہنا۔ امیر کی اطاعت کرنا اگرچہ وہ غلام ہو جو شخص تم میں سے زندہ رہیگا۔ وہ بہت سے اختلاف دیکھے گا پس تم میرے بعد میرے اور خلفاءٔ راشدین کے طریقہ کو دانتوں سے مضبوط پکڑے رہنا۔ اور نئی نئی باتوں سے بچنا، اس لئے کہ ہر نئی بات گمراہی اور بے راہ روی ہوگی۔

(زنہ ھن عن ابی داؤد و ترمذی)

پس صراطِ مستقیم، طریقِ فوز و فلاح، راہِ نجات، سیدھا اور صاف رستہ یہی ہے۔ کہ اسوہ حسنہ نبوی کو اختیار کرے اور آنکھ بند کر کے بے خوف و خطر ان نقوش قدم پر گامزن ہو۔ پھر منزلِ مقصود سامنے ہے۔ راستہ کھلا ہوا ہے۔ اور بے خوف و خطر ہے۔ ارشاد ربانی ہے:۔

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ	اور یہ راہ ہے میری سیدھی
مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا	سو اس پر چلو۔ اور مت چلو
تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ	دوسری راہیں۔ جو تم کو ہٹا دیں گے
بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ	اس کی راہ سے ؕ

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں "نجات اخروی اور فلاح سرمدی کا حصول مشروط ہے سید الاولین والآخرین کے اتباع کے ساتھ آپ کے اتباع کے ذریعہ حق تعالےٰ کی محبوبیت کے مقام تک پہنچتا ہے۔ اور تجلی ذات سبحانہ و تقدس سے مشرف ہوتا ہے۔ اور آپ کے اتباع کے ذریعہ مرتبہ عبدیت پر سرفراز ہوتا ہے۔ جو مقام محبوبیت کے بعد تمام مراتب

کمال سے بالاتر ہے۔ آپ کا کمال اتباع کرنے والے انبیاء بنی اسرائیل کی مانند ہیں۔ بڑے بڑے اولوالعزم پیغمبروں نے آپ کے اتباع کی آرزو کی ہے۔ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی آپ کے بعد آتے۔ تو آپ کے اتباع کے بغیر ان کو چارہ نہ تھا حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام کا آسمان سے نازل ہو کر آپکا اتباع کرنا معروف و مشہور ہے آپ کی امّت محض آپ کے اتباع کی وجہ سے "خیر الامم" ہوئی۔ اور اکثر اہل جنّت بنی۔ اور کل آپ کے اتباع کی بدولت تمام دیگر امتوں سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔ اور قسم قسم کے نعمائے جنت سے محظوظ ہوں گے پس ہمارے لئے ضروری ہے۔ کہ آپکا پورا اتباع کریں اور آپ کی سنت اور طریق کا التزام رکھیں۔ اور آپ کی شریعت کے احکام کو بجالائیں۔ علیہ و علے آلہ لصلوات والتسلیمات ؁

(مکتوب ۲۴۹ جلد اول ص۳۶۸)

دوسرے مکتوب میں ارشاد فرماتے ہیں :۔

"تمام احباب و اخوان کے لئے نصیحت کی جاتی ہے اور وہ طریق نبوی کی پیروی ہے۔ اور ہر خلاف سنت بات

سے اجتناب و پرہیز ہے ۔ اسوقت اسلام بے بسی کی حالت میں ہے ۔ اور مسلمان کمزور ہیں اور کمزور تر ہوتے جائیں گے حتیٰ کہ کلمہ گو روئے زمین پر باقی نہ رہیگا ۔ اور قیامت بدترین شریر لوگوں پر واقع ہوگی ۔ سعادت مند وہ ہے ۔ جو اس بیکسی کے عالم میں سنن متروکہ میں سے کسی سنت کا احیاء کرے اور رائج شدہ طریقوں اور بدعتوں میں سے کسی بات کو مٹائے وہ وقت ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت کو ایک ہزار سال گزر چکے ۔ قیامت کی علامات بر ملا ظاہر ہو رہی ہیں ۔ زمانہ نبوت کے بعد کی وجہ سے سنن نبویہ مستور ہو رہی ہیں ۔ اور کثرت جھوٹ کی بدولت بدعات جلوہ گر ہیں کسی شاہباز کی ضرورت ہے جو سنت کی مدد کرے ۔ اور بدعت کو شکست دے ۔ کسی بدعت کا رائج ہونا سراسر دین کی تخریب اور بربادی ہے ۔ بدعتی کی تعظیم اسلام کے مٹانے کی کھلی اعانت ہے ۔

مَنْ وَقَّرَ صَاحِبَ بِدْعَةٍ فَقَدْ اَعَانَ عَلٰی هَدْمِ الْاِسْلَامِ ۔

جس شخص نے صاحب بدعت کی تعظیم کی ۔ اس نے اسلام کے مٹانے پر اعانت کی ۔

پوری ہمت اور پوری وسعت کے ساتھ اس بات کیطرف متوجہ ہونا چاہیئے کہ سنن نبویہ میں کوئی سنت رواج پکڑ جائے۔ اور بدعات میں سے کوئی بدعت ملیا میٹ ہو جائے۔ [illegible]ت بالخصوص اسلام کی کمزوری کی حالت میں اسلام کے نشانات کا بقا ترویج سنت اور تخریب بدعت کے ساتھ وابستہ ہے۔

پہلے بزرگوں نے بعض بدعات کو حسنہ قرار دیا ہے اور ان کو حسنہ سمجھا ہے۔ لیکن یہ فقیر ان کے ساتھ موافقت نہیں کرتا۔ اور کسی بدعت کو حسنہ نہیں جانتا۔ ظلمت و کدورت کے سوا اس میں کوئی چیز محسوس نہیں ہوتی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم کا کھلا ارشاد ہے۔

کل بدعۃ ضلالۃ   ہر بدعت گمراہی ہے۔

اسلام کی اس بیکسی اور کمزوری کی حالت میں سلامتی کا راستہ صرف سنت کا ظہور ہے۔ اور تمام خرابیاں بدعت کو برقرار رہنے میں ہیں۔ جو بھی بدعت ہے اس کو اسلام کی بیخ کنی کا ذریعہ سمجھنا چاہیئے۔ اور ہر سنت کو ایک درخشاں تارا سمجھنا چاہیئے جس کی روشنی اندھیری رات میں ہدایت و راہنمائی کا

کام دے رہی ہے۔

حق تعالیٰ علماء زمانہ کو توفیق دیں۔ اور وہ کسی حسن وخوبی کے بارہ میں لب کشائی نہ کریں اور کسی بدعت کو کرنے کی اجازت نہ دیں۔ اگرچہ وہ بدعت ان کی نگاہوں میں صبح صادق کی طرح روشن اور چمکدار ہو۔ اس لئے کہ شیطان کی تلبیسات کو خلاف سنت امور میں قدرت عظیمہ حاصل ہے۔ زمانہ سابقہ میں اسلام کو پوری قوت حاصل تھی۔ جس کی وجہ سے بدعت کی مضرتوں کا اور ظلمتوں کا تحمل ہو سکتا تھا۔ اس لئے ممکن تھا کہ بعض ظلمات نور اسلام کی جگمگاہٹ کی وجہ سے نورانی دکھلائی دیتی ہوں۔ اگرچہ درحقیقت ان میں کوئی حسن وخوبی نہ ہو۔ برخلاف اس وقت کے کہ اب اسلام اسقدر ضعیف ہو گیا۔ کہ بدعت کی ادنیٰ ظلمت کو بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ اس وقت متقدمین اور متاخرین کا فتوےٰ نہیں چل سکتا ہر وقت کے احکام جُدا ہوتے ہیں۔ اس وقت تمام عالم کثرت بدعات کی وجہ سے دریائے ظلمت کی مانند نظر آ رہا ہے۔ اس دریائے ظلماتی کے مقابلہ میں نورِ سنت اپنی غربت اور کس مپرسی کی وجہ سے جگنو کی طرح محسوس ہو رہا ہے۔ بدعت

پر عمل اس ظلمت کو بڑھائے گا۔ اور نورِ سنت کو گھٹائے گا۔ اور سنت پر عمل اس ظلمت کو گھٹائے گا۔ اور نور سنت کو بڑھائے گا۔ پس جس کا جی چاہے۔ بدعت کی ظلمت کو بڑھائے اور جس کا جی چاہے۔ نورِ سنت کو ترقی دے۔ جس کا جی چاہے شیطانی جماعت کو قوت دے اور جس کا جی چاہے اللہ کی جماعت کو قوت دے۔ یقیناً شیطانی جماعت خاسر ونامراد ہو گی اور حقانی جماعت فلاح یاب اور کامیاب ہو گی۔

صوفیائے زمانہ بھی اگر انصاف پر اتر آئیں۔ اور اسلام کے ضعف اور باطل کے فروغ کو مدّنظر رکھیں۔ تو ہرگز خلاف سنت امور میں اپنے پیروں کی تقلید نہ کریں۔ اور امور مخترعہ کو شیوخ کے عمل کے بہانہ سے معمول بہ نہ بنائیں۔ صرف طریق نبوی ہی نجات دینے والا اور مثمر خیر وبرکات ہے اور خلاف سنت کام کو اختیار کرنے میں خطرہ ہی خطرہ ہے

وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغ

(مکتوب ۲۳ جلد ثانی ص۳۵)

خاتمہ کلام

زندگی کے اس حسین وجمیل نقشہ کو ختم کرتا ہوں جو انسانیت کا ماحصل ہے۔ اور اسلام کی تعلیمات حقہ کا اجمالی نظارہ ہے ؎

اندکے پیش تو گفتم غمِ دل ترسیدہ ام
کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار گفت

میں نے اپنی تہی دامانی اور پریشان حالی کے باوجود بہت کچھ متاعِ زندگی آپ کے لئے جمع کر دیا ہے۔ اور یہ محض خدا کا فضل وکرم اور احسان ہے۔ اب اس کو کام میں لگانا اور نفع اٹھانا آپ کا کام ہے۔ میرا مقصد صرف خالق جلّ جلالہ کی رضا جوئی اور مخلوقِ خدا کی خیر خواہی ہے اور اپنی ذمہ داری سے سبکدوشی ہے۔

إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ

رَضِیتُ بِاللّٰہِ رَبًّا وَّ بِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَّ
بِمُحَمَّدٍ نَّبِیًّا عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ اَلْفُ اَلْفِ
صَلٰوۃً وَّتَحِیَّۃً ؎

محمد احتشام الحسن غفرلہ
مقام کاندھلہ ضلع مظفر نگر
۲۲ جمادی الاول سنہ ۱۳۶۷ھ

تمت بالخیر